1

افادات شیخ الاسلام سیریز

جدید مسائل کا اسلامی حل

اسلام کیا کہتا ہے؟

Interest Free Economy
Polygamy
تسخیر ماہتاب
مورگیج
تہذیب و ثقافت
Video
فوٹوگرافی
رؤیتِ ہلال
بلاسود بینکاری
Test Tube Baby
قیامت کا سائنسی تصور
فیشن
متوازن غذا
ویڈیو فلم
Darwinism
Mobile
Love Marriage
Islam & Science
مخلوط نظامِ تعلیم
خاندانی منصوبہ بندی
اناٹمی کی اسٹڈی
Genetic Engineering
Child Labor
انٹرنیٹ پر نکاح
جہیز
نظریہ ارتقاء
ٹی وی
شرعی پردہ
انٹرنیٹ
تعداد ازدواج
Mortgage
کوٹ، پینٹ، ٹائی
TV
جینیاتی انجینئرنگ
Co-Education
Family Planning
ٹیسٹ ٹیوب بے بی
تبلیغِ اسلام میں جدید ذرائع کا استعمال
نماز کے طبی فوائد
خون کا عطیہ
ہوائی جہاز میں نماز
قسطوں کا کاروبار
آنکھوں کا عطیہ
کاشتکاری
Internet
پسند کی شادی
Moon Visibility
اسلامی فقہ
Labor Policy
اسلام اور جدید سائنس
Fashion
طلاق
لیبر پالیسی
انعامی بانڈ
Photography
Scarf
موبائل فون

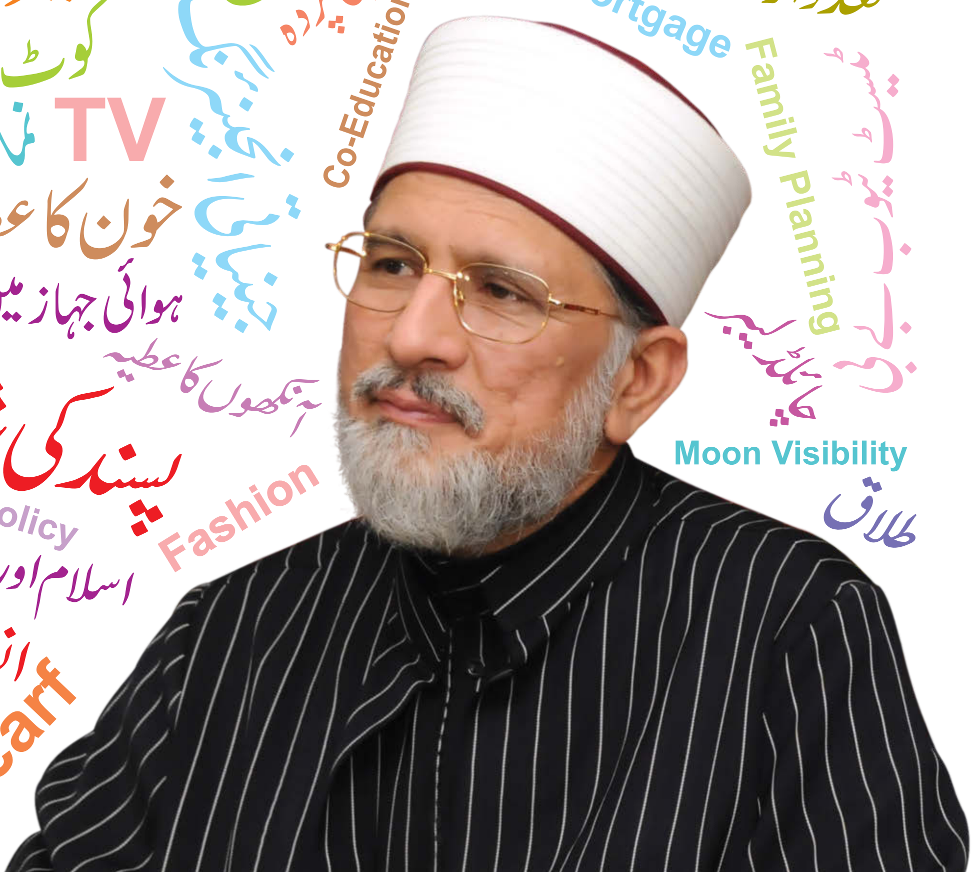

جدید مسائل کا اِسلامی حل

- تہذیب و ثقافت
- اِسلامی فقہ
- اسلام اور جدید سائنس
- طب جدید
- معیشت

اِفادات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

زیر اِہتمام

منہاج سی ڈیز اینڈ بکس، فیصل آباد

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	جدید مسائل کا اِسلامی حل
اِفادات	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری
مرتب	:	عبدالستار منہاجین
ناشر	:	منہاج سی ڈیز اینڈ بکس، فیصل آباد
مطبع	:	نایاب پرنٹرز، امین پور بازار فیصل آباد
اِشاعتِ اوّل	:	جنوری 2012ء تعداد: 1100
اِشاعت دُوم	:	فروری 2012ء تعداد: 1100
اِشاعت سوم	:	اپریل 2012ء تعداد: 1100
اِشاعت چہارم	:	اگست 2012ء تعداد: 2200
اِشاعت پنجم	:	ستمبر 2012ء تعداد: 1100

زیرِ نظر تالیف میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے
ہزارہا خطابات / انٹرویوز اور سیکڑوں تصانیف کی ورق گردانی کے بعد
جدید مسائل کے حل بارے اِقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔
نوٹ: تمام موضوعات اپنی جگہ مکمل مضمون کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ملنے کے پتے

منہاج القرآن پبلی کیشنز / مرکزی سیل سنٹر
365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 042-3516-5338, 042-111-140-140

منہاج القرآن سیل سنٹر
چیئر جی روڈ، اردو بازار لاہور
فون: 042-3736-0532

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
6	تعارف شیخ الاسلام	
9	فوٹوگرافی	1
11	ویڈیوگرافی	2
11	ٹی وی ڈرامے اور فلمیں	3
14	اسٹیج ڈرامے	4
14	فیشن	5
17	کوٹ، پینٹ، ٹائی وغیرہ	6
18	شرعی پردہ (Scarf)	7
19	مخلوط نظام تعلیم (Co-Education)	8
20	تعلیمی مقاصد کے لئے لڑکے اور لڑکی کا باہمی رابطہ	9
20	اِنٹرنیٹ کا اِستعمال	10
22	موبائل فون کا اِستعمال	11
22	معاشرتی برائیوں سے کیسے بچیں؟	12
25	گداگری	13
26	ہوائی جہاز میں نماز	14
27	قطبین پر نماز اور روزہ	15
29	پاکستان سے سعودی عرب جانے والے شخص کے روزے	16
29	سعودی عرب سے پاکستان آنے والے شخص کے روزے	17
30	سعودی عرب سے پاکستان آنے والے شخص کا اِعتکاف	18
30	اِعتکاف اور خواتین کے ایام	19

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
20	پسند کی شادی (Love Marriage)	30
21	کورٹ میرج (Court Marriage)	31
22	ٹیلیفون / اِنٹرنیٹ پر نکاح (Online Marriage)	32
23	پگڑی پر نکاح	32
24	شادی دفتر / لڑکی کے رشتہ کا اِشتہار	32
25	شادی بیاہ کے اَخراجات کا تعین	33
26	جہیز	33
27	طلاق	34
28	تعدّد اِزدِواج (Polygamy)	35
29	اِسلام اور سائنس	36
30	اِسلام اور سائنس کا باہمی تعلق	39
31	تبلیغِ اِسلام میں جدید ٹیکنالوجی کا اِستعمال	43
32	اِسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں حلال وحرام کا تصور	44
33	سات آسمانوں کا سائنسی تصور	46
34	قیامت کا سائنسی تصور	47
35	تسخیر ماہتاب (Conquest of the Moon)	49
36	رؤیتِ ہلال (Moon Visibility) اور اِسلامی ماہ کا تعین	51
37	ڈارون کا نظریہ اِرتقاء (Darwinism)	65
38	وضو سے حفظانِ صحت	68
39	نماز کے طبی فوائد	69
40	کم خوری اور متوازن غذا	72

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
41	اِسلام کی تجویز کردہ غذاؤں کے طبی فوائد	74
42	اِسلام کی ممنوع کردہ غذاؤں کے طبی نقصانات	82
43	مشینی ذبح اور عندالذبح اللہ اکبر کی کیسٹ	85
44	مچھلی کا ذبح کیوں نہیں؟	85
45	اِسلام اور جینیاتی انجینئرنگ (Genetic Engineering)	85
46	اناٹمی کی اسٹڈی	87
47	اِنسانی اَعضاء کی پیوندکاری	88
48	خون کا عطیہ	89
49	آنکھوں کے عطیہ کی وصیت	89
50	ٹیسٹ ٹیوب بے بی (Test Tube Baby)	89
51	خاندانی منصوبہ بندی (Family Planning)	90
52	خاندانی منصوبہ بندی کا محکمہ	91
53	خواتین اور میڈیکل ایجوکیشن	92
54	بلاسود بینکاری (Interest-Free Banking)	92
55	مغربی دُنیا میں رہن پہ گھر لینا (Mortgage)	95
56	قسطوں کا کاروبار	99
57	اِنعامی بانڈ (Prize Bond)	99
58	اِسلامی لیبر پالیسی (Islamic Labour Policy)	99
59	چائلڈ لیبر	104
	مآخذ و مراجع	105

تعارف: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

دورِ حاضر کے عظیم اِسلامی مفکر، محدّث، مفسر اور نابغۂ عصر شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری 19 فروری 1951ء کو پاکستان کے شہر جھنگ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے جدید علوم کے ساتھ ساتھ قدیم اِسلامی علوم بھی حاصل کئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے اور قانون کے اِمتحانات اَعلیٰ ترین اِعزازات کے ساتھ پاس کئے اور Punishments in Islam, their Classification and Philosophy کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے عالمِ اِسلام کی عظیم المرتبت روحانی شخصیت قدوۃُ الاولیاء سیدنا طاہر علاؤ الدین القادری الگیلانی البغدادیؒ سے طریقت و تصوف اور سلوک و معرفت کی تعلیم و تربیت حاصل کی اور اَخذِ فیض کیا۔ آپ نے **علم الحدیث، علم التفسیر، علم الفقه، علم التصوف والمعرفة، علم اللغة والأدب، علم النحو والبلاغة** اور دیگر کئی اِسلامی علوم وفنون اور منقولات و معقولات کا درس اور اَسانید و اِجازات اپنے والد گرامی سمیت ایسے جید شیوخ اور کبار علماء سے حاصل کی ہیں، جنہیں گزشتہ صدی میں اِسلامی علوم کی نہ صرف حجت تسلیم کیا جاتا ہے بلکہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ تک مستند و معتبر اَسانید کے ذریعے منسلک ہیں۔ آپ نے اپنے سلسلۂ سند کی دو کتبِ اَسانید (الأَثبات) "اَلْجَوَاهِرُ الْبَاهِرَة فِي الْأَسَانِيْدِ الطَّاهِرَة" اور "اَلسُّبُلُ الْوَهبِيَّة فِي الْأَسَانِيْدِ الذَّهَبِيَّة" میں اپنے تین سو سے زائد طُرقِ علمی کا ذکر کیا ہے۔

آپ کے اساتذہ میں عرب وعجم کی معروف شخصیات شامل ہیں، جن میں الشیخ المعمّر حضرت ضیاء الدین احمد القادری المدنی، محدّث الحرم الامام علوی بن عباس المالکی المکی، الشیخ السید محمد الفاتح بن محمد المکی الکتانی، محدثِ اعظم علامہ سردار احمد قادری، علامہ سید ابو البرکات احمد محدث الوری، علامہ سید احمد سعید کاظمی امروہی، علامہ عبد الرشید الرضوی اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی جیسے عظیم المرتبت علماء شامل ہیں۔ آپ کو اِمام یوسف بن اسماعیل النبہانیؒ سے الشیخ حسین بن احمد عسیران اللبنانی کے صرف ایک واسطے سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ اِسی طرح آپ کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے اُن کے خلیفہ الشیخ السید عبد المعبود الجیلانی المدنی کے صرف ایک واسطے سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ امام الہند حضرت الشاہ احمد رضا خان کے ساتھ صرف ایک واسطہ سے تین الگ طُرق کے ذریعے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے بے شمار شیوخِ حرمین، بغداد، شام، لبنان، طرابلس، مغرب، شنقیط (موریطانیہ)، یمن (حضرموت) اور پاک و ہند سے اِجازات حاصل کی ہیں۔ اِس طرح شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی ذاتِ گرامی میں دُنیا بھر کے

شہرہ آفاق مراکزِ علمی کے لامحدود فیوضات ہیں۔

آپ پنجاب یونیورسٹی لاء کالج میں قانون کے اُستاد رہے ہیں۔ آپ نے پاکستان میں اور بیرونِ ملک خصوصاً امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، سکینڈی نیویا، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا اور ایشیا خصوصاً مشرقِ وُسطیٰ اور مشرقِ بعید میں اِسلام کے مذہبی و سیاسی، رُوحانی و اَخلاقی، قانونی و تاریخی، معاشی و اِقتصادی، معاشرتی و سماجی اور تقابلی پہلوؤں پر مشتمل مختلف النوع موضوعات پر ہزاروں لیکچرز دیئے۔ سال 2010ء میں آپ نے 'جارج ٹاؤن یونیورسٹی' اور 'یونائیٹڈ اسٹیٹس اِنسٹیٹیوٹ آف پیس' (امریکہ) میں اِسلام کے تصورِ جہاد کے حوالے سے خصوصی لیکچرز دیئے اور عالمِ مغرب کے ذہنوں پر چھائی ہوئی گرد دُور کی۔ علاوہ ازیں برطانیہ میں ہونے والی 'گلوبل پیس اینڈ یونٹی کانفرنس' میں بھی آپ نے خصوصی شرکت کی اور لیکچر دیا۔ جنوری 2011ء میں آپ نے عالمِ اِسلام کی واحد نمائندہ مذہبی شخصیت کے طور پر 'ورلڈ اکنامک فورم' کے سالانہ اِجلاس برائے سال 2011ء میں شرکت کی اور اپریل 2011ء میں آپ نے 'یو-این اسلامک ورلڈ فورم' کے اِجلاس میں بطور نمائندہ اُمتِ مسلمہ شرکت کی۔

آپ کے سیکڑوں موضوعات پر پانچ ہزار سے زائد ریکارڈڈ لیکچرز آڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs کی صورت میں دستیاب ہیں، جن میں بعض موضوعات ایک ایک سو سے زائد خطابات کی سیریز کی شکل میں ہیں۔

آپ کی تصانیف کی تعداد کم و بیش ایک ہزار (1,000) ہے، جن میں سے 400 سے زائد کتب اُردو، انگریزی، عربی و دیگر زبانوں میں طبع ہوچکی ہیں، جب کہ مختلف موضوعات پر آپ کی بقیہ چھ سو کتب کے مسوّدات طباعت کے مختلف مراحل میں ہیں۔ آپ نے دورِ جدید کے چیلنجز کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے علمی و تجدیدی کام کی بنیاد عصری ضروریات کے گہرے اور حقیقت پسندانہ تجزیاتی مطالعے پر رکھی، جس نے کئی قابلِ تقلید نظائر قائم کیں۔ فروغِ دین میں آپ کی دعوتی و تجدیدی اور اِجتہادی کاوِشیں منفرد حیثیت کی حامل ہیں۔ جدید عصری علوم میں وقیع خدمات سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ آپ نے ''عرفان القرآن'' کے نام سے اُردو و انگریزی زبان میں جامع اور عام فہم ترجمہ کیا ہے، جو قرآن حکیم کے اُلوہی بیان کا لغوی و نحوی، اَدبی، علمی، اِعتقادی، فکری اور سائنسی خصوصیات کا آئینہ دار ہے۔ یہ ترجمہ کئی جہات سے عصرِ حاضر کے دیگر تراجم کے مقابلے میں زیادہ جامع اور منفرد ہے۔ علم الحدیث میں آپ کی تالیفات ایک گراں قدر علمی سرمایہ ہیں۔ آپ کی ضخیم ترین تصنیف پچیس ہزار اَحادیث کا مجموعہ **جَامِعُ السُّنَّة فِيمَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ آخِرُ الْأُمَّة** ہے، جو مختلف النوع موضوعات پر بیس جلدوں کا مجموعہ ہے، جس کی مثال پچھلی کئی صدیوں کے علمی سرمائے میں ناپید ہے۔ امام نوویؒ کی **رِيَاضُ الصَّالِحِين** اور خطیب تبریزیؒ کی **المِشْكَاةُ الْمَصَابِيح** کے اُسلوب پر دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق **مُخْتَصَرُ الْمِنْهَاجِ السَّوِيّ مِنَ الْحَدِيْثِ النَّبَوِيّ** پوری دُنیا میں ہر

خاص و عام سے دادِ تحسین وصول کرچکی ہے، جب کہ پانچ ہزار احادیث پر مشتمل مفصل نسخہ بعنوان اَلْمِنْهَاجُ السَّوِيّ مِنَ الْحَدِيْثِ النَّبَوِيّ کی چار جلدیں زیرِ تکمیل ہیں۔ اِسی طرح هِدَايَةُ الْأُمَّة عَلٰی مِنْهَاجِ الْقُرْآن وَالسُّنَّة اڑھائی ہزار اَحادیث کا دو جلدوں پر مشتمل اِیمان اَفروز تربیتی نوعیت کا عظیم مجموعہ ہے، جو آیاتِ قرآنی اور اَحادیثِ نبوی کے ساتھ ساتھ آثارِ صحابہ و تابعین اور اَقوالِ ائمہ و سلف صالحین کا بھی نادِر ذخیرہ ہے۔ اِسی طرح اَلْعَطَا فِي مَعْرِفَةِ الْمُصْطَفٰی ﷺ کے عنوان سے حضور نبی اکرم ﷺ کے فضائل، شمائل، خصائص اور معجزات کے حوالے سے کئی جلدوں میں پانچ ہزار احادیث پر مشتمل مجموعہ بھی زیرِ ترتیب ہے۔ مزید برآں قاضی عیاض کی اَلشِّفَا کی طرز پر مَكَانَةُ الرِّسَالَة وَالسُّنَّة کے موضوع پر ایک عظیم علمی شاہکار عربی زبان میں دو ضخیم جلدوں پر قریبِ تکمیل ہے۔ اُردو زبان میں سیرۃ الرسول ﷺ کے موضوع پر بارہ (12) جلدوں پر مشتمل سب سے بڑی تصنیف بھی آپ ہی کی ہے۔ علاوہ ازیں اِیمانیات، اِعتقادیات، تصوف و روحانیت، معاشیات و سیاسیات، سائنس اور جدید عصری موضوعات پر بھی آپ کی متعدد تصانیف دُنیا کی بڑی زبانوں میں منتقل ہو رہی ہیں۔

سال 2010ء میں آپ نے ''دہشت گردی اور فتنہ خوارِج'' کے عنوان سے ایک مبسوط تاریخی فتویٰ جاری کیا، جس میں آپ نے دہشت گردی اور خودکُش حملوں کی موجودہ لہر اور اُس کے پس منظر کا تاریخی و تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔ اِس فتویٰ نے پوری دُنیا میں قبولِ عام حاصل کیا ہے اور انگریزی و عربی میں ترجمہ مکمل ہونے کے علاوہ دُنیا کی دیگر زبانوں میں بھی اُس کے تراجم کا کام جاری ہے۔

آپ کی قائم کردہ تحریکِ منہاجُ القرآن دنیا کے 90 سے زائد ممالک میں اِسلام کا آفاقی پیغامِ اَمن و سلامتی عام کرنے میں مصروفِ عمل ہے۔ آپ کو عالمی سطح پر اَمن کے سفیر کے طور پر پہچانا جاتا ہے؛ جب کہ بہبودِ اِنسانی کے لیے آپ کی علمی و فکری اور سماجی و فلاحی خدمات کا بین الاقوامی سطح پر اِعتراف بھی کیا گیا ہے۔ آپ نے پاکستان میں 'عوامی تعلیمی منصوبہ' کی بنیاد رکھی جو غیر سرکاری سطح پر دُنیا بھر کا سب سے بڑا تعلیمی منصوبہ ہے۔ اِس منصوبے کے تحت اب تک ایک چارٹرڈ یونیورسٹی (منہاج یونیورسٹی لاہور) اور پاکستان بھر میں 572 اسکولز و کالجز کا قیامِ عمل میں لایا جا چکا ہے۔ ماضی قریب میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ فردِ واحد نے اپنی دانش و فکر اور عملی جدّ و جہد سے فکری و عملی، تعلیمی و تحقیقی اور فلاحی و بہبودی سطح پر ملّتِ اِسلامیہ کے لیے اِتنے مختصر وقت میں اِتنی بے مثال خدمات اَنجام دی ہوں۔ بلا شبہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری ایک فرد نہیں بلکہ عہدِ نو میں ملّتِ اِسلامیہ کے تابندہ و روشن مستقبل کی نوید ہیں۔

www.DrTahirulQadri.com
www.facebook.com/TahirulQadri

1- فوٹوگرافی

فوٹوگرافی کے جواز اور عدم جواز بارے علماء کرام میں اختلاف ہے۔ بعض علماء اِسے تراشیدہ مورتیوں پر قیاس کرتے ہوئے مطلقاً ناجائز سمجھتے ہیں، جبکہ بعض کے نزدیک صرف تراشیدہ مورتیاں ناجائز ہیں، البتہ کیمرے سے بنی ہوئی وہ تصاویر جو عبادت یا تعظیم کی نیت سے نہ ہوں وہ مباح ہیں۔ جو علماء اسے مطلقاً حرام سمجھتے ہیں وہ تصویر کی حرمت کے تمام اَحکام فوٹو گرافی سے حاصل شدہ تصویر پر بھی لاگو کرتے ہیں؛ جبکہ دوسرا نکتۂ نظر رکھنے والے علماء کیمرے سے حاصل شدہ تصویر کو 'صورۃ' کی بجائے 'عکس' قرار دیتے ہیں۔

درحقیقت آج سے ڈیڑھ ہزار برس قبل فوٹوگرافی کا وجود ہی نہیں تھا تو اس کی حرمت چہ معنی دارد؟ نبی اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ میں جس تصویر کی حرمت آئی ہے وہ صرف دھات یا پتھر وغیرہ سے تراشی گئی مورتیاں ہیں۔ واضح رہے کہ حرمت کی دو صورتیں ہیں: 'حرمت بالذات' اور 'حرمت بالغرض'۔ حرمت بالذات کا مطلب ہے کہ وہ چیز ہر حالت میں فی نفسہ حرام ہو، جیسے خنزیر، شراب وغیرہ۔ جبکہ حرمت بالغرض یہ ہے کہ وہ چیز فی نفسہ حرام نہ ہو بلکہ کسی اور وصف کے باعث حرام قرار پائے۔ ایسے میں اَحوالِ زمانہ بدل جانے کی وجہ سے اگر وہ وصف اور غرض ختم ہو جائے تو اُس میں حرمت باقی نہیں رہتی اور وہ چیز اُس دور میں مباح قرار پاتی ہے۔

اب ہم اس مسئلہ کو حدیث مبارکہ کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

لا دخل الملائکةُ بیتاً فیه کلبٌ ولا صورةٌ.

(صحیح بخاری، 3 : 1206، رقم: 3144)

''جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اُس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔''

کتا ایک نجس جانور ہے، جبکہ تصویر میں ظاہراً ایسی کوئی قباحت نہیں پائی جاتی۔ طبع سلیم میں کتے اور تصویر کا ایک جیسا نجس ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ اسلام دین فطرت ہے، اس لئے طبع سلیم اور اَحکامِ دین میں تضاد نہیں ہوسکتا۔ دوسری طرف حضور نبی اکرم ﷺ نے حکم حرمت میں دونوں کو برابر گردانا۔ لہٰذا پتہ چلا کہ تصویر میں کوئی ایسی علت موجود ہے، جسے آپ ﷺ نے کتے کے برابر نجس قرار دیا اور وہ اِعتقادی علت و قباحت 'شرک' ہے۔ اُس زمانے میں کفار نے لات، منات، عُزیٰ اور ہبل وغیرہ کی مورتیاں بنا رکھی تھیں اور اُن کی پوجا کیا کرتے تھے، اسی لئے اُنہیں حرام

قرار دیا گیا۔ پس جو مورتیاں عبادت کی غرض سے بنائی جائیں، وہ قطعی حرام ہیں۔ جبکہ فوٹو گرافی کسی طور بھی اس ذیل میں نہیں آتی کہ اُسے کتے جیسی نجس قرار دیا جائے، اس لئے وہ مباح ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ایک پردہ لٹکا ہوا تھا، جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ حضور ﷺ تشریف لائے، آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی، بعد میں آپ ﷺ نے پردہ اُتروا دیا۔ فرمایا کہ اس نے میری یکسوئی کو متاثر کر دیا تھا۔

(صحیح بخاری، ۱: ۱۴، رقم: ۳۶۷)

تصویر کو حرام قرار دینے والے علماء اِس حدیث مبارکہ سے یہ اِستنباط کرتے ہیں کہ اگر تصویر جائز ہوتی تو آپ ﷺ پردہ ہٹانے کا حکم نہ دیتے، جبکہ دُوسرے علماء کا موقف یہ ہے کہ اگر تصویر کلیتًا حرام ہوتی تو کیا حضور ﷺ کو معلوم نہ تھا کہ گھر میں تصویر والا پردہ لٹکا ہوا ہے! خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دین کا مکمل فہم رکھتی تھیں، آپ ﷺ نے انہیں نصف دین قرار دیا، اس کے باوجود گھر میں پردے کا لگا ہوا ہونا اور آپ ﷺ کا نماز بھی پڑھ لینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اُسے مباح و جائز سمجھتی تھیں۔ پردہ ہٹانے کی حکمت تو یہ تھی کہ نماز میں یکسوئی متاثر نہ ہو اور توجہ اللہ کی طرف قائم رہے۔

اسی طرح احادیث مبارکہ میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس کچھ گڑیاں تھیں، جن سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی سہیلیوں کے ہمراہ کھیلا کرتی تھیں۔ آپ ﷺ گھر میں تشریف لاتے اور کھیلتا ہوا دیکھتے تو مسکرا دیتے، منع نہ فرماتے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گھوڑے کی شکل کا ایک ایسا کھلونا تھا، جس کے پَر تھے۔ حضور ﷺ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ عرض کیا: حضور! یہ گھوڑا ہے، تو آپ ﷺ نے مسکرا کر پوچھا: کبھی گھوڑے کے بھی پَر ہوتے ہیں! اُنہوں نے عرض کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کے پَر تھے۔ یہ سن کر حضور ﷺ مسکرا پڑے اور اندر تشریف لے گئے۔

(سنن ابوداؤد، ۴: ۲۸۳، رقم: ۴۹۳۲)

اب اگر غور کریں تو کھلونے مورتیوں کی مانند (یعنی 3D) ہیں، اس کے برعکس تصویر تو محض عکس ہے۔ اس قسم کی احادیث سے پتا چلتا ہے کہ جس 'صورة' کی حرمت آئی ہے اُن کا معنی و مدعا کچھ اور ہے۔ ان کھلونوں کا تعلق شرک

کے ساتھ نہ تھا، اس لئے آپ ﷺ نے منع نہ فرمایا۔ ہر وہ فوٹو گرافی جو ماضی کی یادگار یا تعلیمی مقاصد کے طور پر کی جاتی ہے، اُس میں بھی حرمت کی علت نہ ہونے کی وجہ سے وہ حرام نہیں ہوتی بلکہ مباح قرار پاتی ہے۔

2- ویڈیو گرافی

تصویر کی طرح ویڈیو کا معاملہ بھی اہم ہے۔ بہت سے لوگ اس بارے بھی تشویش کا شکار رہتے ہیں۔ ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ اگر ہم نے آج ہر طرف پھیلتی ہوئی بدی کا مقابلہ کرنا ہے تو اُسی ہتھیار سے کرنا ہوگا جس کی مدد سے بدی پھیل رہی ہے۔ آج بدی کے پھیلنے کا سب سے بڑا ہتھیار اور ذریعہ ویڈیو ہے۔ ہماری نئی نسل فلموں، ڈراموں، کیبل ٹی وی اور انٹرنیٹ پر روزانہ ویڈیو کا سامنا کر رہی ہے۔ اگر ہم نیکی کے اِبلاغ کے لئے ویڈیو کو بطور ذریعہ اِختیار نہیں کریں گے تو بدی آزادانہ اپنا زور دکھائے گی اور نیکی کو مغلوب کر لے گی۔ یہی وجہ ہے کہ تحریک منہاج القرآن نے آج سے کم وبیش 30 سال پہلے سال 1982ء میں خطابات کی آڈیو / ویڈیو ریکارڈنگ کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب مذہبی حلقوں میں تصویر بنانے پر بھی بالعموم حرمت کا فتویٰ پایا جاتا تھا۔ اِس وقت تک ہمارے پانچ ہزار سے زائد خطابات آڈیو / ویڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs کی شکل میں دستیاب ہیں۔ جب لاہور کے معروف اور منظّم ٹی وی سٹوڈیوز میں ابھی linear editing ہو رہی تھی، تب سے ہمارے یہاں non-linear editing کا آغاز ہو چکا تھا۔ اِسی طرح ہم بدی کے زور کو توڑنے کے لئے اِنٹرنیٹ کی سطح پر بھی بھرپور مقابلہ کر رہے ہیں۔ ہماری سیکڑوں کتابیں اور ہزاروں خطابات انٹرنیٹ سے مفت ڈاؤن لوڈ کئے جا سکتے ہیں۔ ہم ہر محاذ پر قرآن وسنت کے پیغام کو پھیلا رہے ہیں اور اس کی بدولت دنیا کے تمام براعظموں میں اسلام کا پیغام پھیل رہا ہے۔ بھٹکی ہوئی نئی نسل تیزی سے دین کی طرف واپس آ رہی ہے اور بے شمار غیر مسلموں تک اِسلام کا پیغامِ امن پہنچ رہا ہے اور دہشت گردوں کی سازشیں بے نقاب ہو رہی ہیں۔ آج اگر ہم یہ سب کچھ بند کر دیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے بدی کے لئے میدان کھلا چھوڑ دیا۔ اس لئے اس دور میں بدی کو روکنے کے لئے ان جدید ذرائع کو اِختیار کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

3- ٹی وی ڈرامے اور فلمیں

ایسے ٹی وی ڈرامے اور فلمیں جو دین اسلام کی تبلیغ، اسلامی روایات کی ترویج اور اَخلاقی قدروں کے فروغ کے لئے بنائے جائیں اور اُن کی تیاری کے دوران میں شرعی تقاضوں کا خیال رکھا جائے تو اُن کا بنانا اور دیکھنا یقیناً

جائز بلکہ مستحسن عمل ہے۔ ڈراموں اور فلموں کی مدد سے اِسلام، پاکستان اور اُمتِ مسلمہ کی تاریخ اور دینی عظمت کو اُجاگر کیا جا سکتا ہے۔ گویا تعمیری مقاصد کے لئے اِس فیلڈ میں بھی بے شمار گوشے ہیں مگر آج کل عام ڈرامے اور فلمیں نہ صرف نوجوان نسل کو اَخلاقی بے راہ روی کی طرف لے جا رہی ہیں بلکہ اُنہیں اِسلام سے دُور لے جانے کا باعث بھی بن رہی ہیں۔ ایسے میں ضرورت اِس امر کی ہے کہ اِس محاذ کا کلیتًا بائیکاٹ کر دینے کی بجائے مثبت کردار ادا کرنے کے لئے اس میں اِصلاحات لائی جائیں تا کہ نئی نسل کو مثبت تفریحی عمل کے ساتھ ساتھ دینی روایات اور اَخلاقِ حسنہ کی تعلیم بھی دی جا سکے۔

یہ ایک المیہ ہے کہ غلامی کی نفسیات رکھنے کی وجہ سے ساری قوم ہر نئی اِیجاد کا پہلے منفی اِستعمال سیکھتی ہے، پھر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اُس کے مثبت اِستعمال کی طرف آتی ہے۔ فی زمانہ ٹی وی کا مثبت اِستعمال نہ ہونے کے برابر ہے اور زیادہ تر دین کی بربادی کے سارے راستے ٹی وی سے ہی کھلتے ہیں۔ ٹی وی تباہی کا اِتنا بڑا منبع ہے کہ اُس نے ایک نئی قیامت برپا کر دی ہے۔ ٹی وی ڈرامے تو ایک طرف، اِشتہارات ہی دین کی تباہی کے لئے کافی ہیں۔ ٹی۔وی سے ایڈورٹائزمنٹس ملتی ہیں، جنہیں دیکھ کر نئے نئے فیشن معلوم ہوتے ہیں اور اپنی جیب دیکھے بغیر اُن چیزوں کی خریداری کا لالچ پیدا ہوتا ہے۔ یہ چیز فلاں کے گھر میں ہے، ہمارے گھر میں بھی ہونی چاہیئے۔ بیویاں شوہروں سے بے جا تقاضے کرتی ہیں اور شوہروں کو اُن کی خواہشات پوری کرنے کے لئے ''اِضافی آمدن'' حاصل کرنا پڑتی ہے، یوں حرام روزی کا راستہ کھلتا ہے۔ ٹی وی سے ہی لباسوں کے فیشن اور عریانی و فحاشی کو راستہ ملتا ہے۔ وہیں سے درزی فیشن سیکھتے ہیں اور وہ لوگوں کو فیشن کے مطابق کپڑے سی کر دے دیتے ہیں۔ یوں آپ کی خواہش کے بغیر ہی آپ کو فیشن کے مطابق کپڑے مل جاتے ہیں۔ آپ لاکھ اِنکار کریں کہ آپ نے درزی کو ایسی سلائی کا نہیں کہا تھا اور اُس نے خود ہی سی دیا ہے، درزی نے قیامت میں بچانے نہیں آنا، لباس تو آپ کا ہے اور آپ ہی نے پہننا ہے۔

آج کل کے ٹی وی پہ جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے وہ نری بے راہ روی ہے۔ خواتین کو بے حیائی پر مبنی نت نئے فیشن سکھائے جا رہے ہیں۔ نوجوان لڑکے لڑکیوں کو باہمی رابطے کے طریقے سکھائے جا رہے ہیں۔ اب تو بچوں کے کارٹون میں بھی بے حیائی کے مناظر عام ہو رہے ہیں۔ اِس کے علاوہ ٹی وی ناظرین کو چوری، ڈاکہ، فراڈ، بے ایمانی الغرض ہر قسم کے ناجائز طریقے سکھا رہا ہے۔ چور وہ بنا رہا ہے، قاتل وہ بنا رہا ہے، ایسے ڈرامے چلتے ہیں جن میں قتل کرنے کی تیکنیک بھی سکھائی جاتی ہیں، ڈاکہ زنی اور دہشت گردی کے طریقے بھی سکھائے جاتے ہیں۔ اگر کوئی اُنہیں

سمجھائے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو لوگوں کو آگاہ کر رہے ہیں کہ یہ یہ ممکنہ طریقے ہیں جن سے چوری ہو سکتی ہے، قتل اور ڈاکہ زنی ہو سکتی ہے، ہم تو آگاہ کر رہے ہیں تا کہ لوگ بچیں، جبکہ عملاً اِس کا اُلٹ ہو رہا ہے۔ درحقیقت وہ سراسر بربادی کی آگاہی دے رہے ہیں۔ جنہیں نہیں پتہ اُنہیں بھی چوری کا طریقہ معلوم ہو جاتا ہے، یوں چوروں کی ٹریننگ جاری رہتی ہے۔ کبھی کسی نے اِس طرف بھی سوچا کہ کتنے لوگ ہیں جو یہ جاننے کے بعد چوری یا ڈاکہ زنی سے بچ رہے ہیں اور کتنے لوگ اُن سے چوری کے طریقے سیکھ کر چور بن رہے ہیں! لوگ اسی سے سارا کچھ سیکھتے ہیں اور معاشرہ تباہی کی دلدل میں دھنستا ہی چلا جا رہا ہے۔

یہ وہ زمانہ آ گیا ہے کہ جو بچنا چاہیں وہ اپنے گھروں کو غار بنا لیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اُنہی کا ایمان بچے گا جو غاروں میں چلے جائیں گے۔ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ شہروں کو چھوڑ کر غاروں میں چلے جائیں بلکہ اِس کی تعبیر یہ کہ گھروں کو غار جیسا بنا لیں، تا کہ زمانے کی آلائشوں سے بچ جائیں۔

کمیونیکیشن، میڈیا اور ٹی وی کے ذریعے گھر برائی کا منبع بن گیا ہے اور اسی سے ساری برائیاں سیکھی جا رہی ہیں۔ وہ برائی کا اِنسٹیٹیوٹ بن گیا ہے، اِنسان متاثر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ دُنیا کا آج کل فیشن یہ ہے۔ ٹی وی کے ایسے سارے پروگرام بین کر دیں، آپ بین کریں گے تو آپ کی اولاد بچ جائے گی ورنہ اُن کی تباہی کے لئے بھی آپ کو کل جواب دِہ ہونا ہوگا۔ ٹی وی پر نشر ہونے والے دینی پروگرام دیکھیں، اسلامی سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز لیں، تلاوت، نعت خوانی کی سی ڈیز لگائیں، خود بھی دیکھیں اور بیوی بچوں کو سب کو دکھائیں۔ یہی طریقہ بچ گیا ہے گھروں کو غار بنانے کا۔ یا پھر ایسے ٹی وی پروگرام دیکھیں جو اَخلاق کو خراب نہیں کرتے، خبریں، ایجوکیشن پروگرام، حالاتِ حاضرہ، جسے بہت شوق ہو وہ میچ دیکھ لے، کرکٹ ہاکی فٹ بال کے ٹورنامنٹ وغیرہ، یہ اتنی کوئی خرابی کی بات نہیں، یہ اَخلاق خراب کرنے والی چیزیں نہیں ہیں۔ بس اِن چیزوں کو انٹرٹینمنٹ کے طور پر لے لیں، وہ چیزیں لیں جن سے علم کی آگاہی ہو، وہ چیزیں نہ لیں جن سے جہالت اور تباہی و بربادی کی آگاہی ہو، اَخلاق، دین اور ایمان کی بربادی نہ ہو۔ ریموورٹ کنٹرول اپنے پاس رکھیں، بریک آئے تو بند کر دیں کیونکہ وہ بریک ہی تباہی پھیلانے کے لئے کافی ہے۔ واشنگ پاؤڈر کے اِشتہار میں دُھلے ہوئے کپڑے پہن کر دکھانے والی کی ادائیں ہی بربادی کے لئے کافی ہیں۔ یہ سب شیطان کی چالیں ہیں، جو ہمیں جہنم کا ایندھن بنا رہی ہیں۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 624)

4- اسٹیج ڈرامے

اسٹیج ڈرامے کا مقصد فی نفسہِ لوگوں کی توجہ معاشرتی مسائل کی اِصلاح کی طرف دلانا ہوتا تھا، مگر بعد ازاں یہ صرف تفریحی موضوعات تک محدود ہو کر رہ گیا۔ ایک وقت تک سلجھا ہوا مزاح ملتا تھا، مگر آج کل کے اسٹیج ڈرامے نئی نسل کی تباہی میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ اسٹیج ڈراموں کے ذریعے نوجوان نسل کے اَخلاق تباہ ہو رہے ہیں اور وہ جگت بازی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں ماہر بن رہی ہے۔ ایسی بازاری زبان اِستعمال ہو رہی ہے جس کا کسی شریف گھرانے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آج کل کے اسٹیج ڈرامے دیکھنے کا مطلب دنیا و عاقبت کی بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 624)

5- فیشن

کسی دور کے طور طریقے اور رواج اُس دور کا فیشن کہلاتے ہیں، مگر بالعموم اسے لباس تک ہی محدود سمجھا جاتا ہے۔ فیشن اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ اگر کوئی لباس ساتر ہے، بدن کو ڈھانپنے والا ہے اور دیکھنے میں خوبصورت بھی ہے تو وہ ایک اچھا فیشن ہے، مگر جب لباس پہننے والا اُسے پہن کر بھی نیم عریاں لگے، بدن کے بعض اَعضاء ننگے ہوں یا لباس اِتنا چُست ہو کہ بدن کی ساخت نمایاں ہو رہی ہو، تو ایسی صورتوں میں اُسے کسی طرح بھی اچھا فیشن قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اِسلام کی نظر میں ہر وہ لباس مستحسن ہے جو ساتر ہو، یعنی اُس کے پہننے سے بعض اَعضاء ننگے نہ ہوں اور جسم کی بناوٹ اُس کے اندر سے نمایاں نہ ہو۔ مسلمان ڈیزائنرز کو چاہیئے کہ وہ دُوسروں کی تہذیب و تمدن کی نقالی کی بجائے اپنی تہذیبی روایات کے مطابق فیشن اِیجاد کریں، جسے دیکھ کر اِسلامی تہذیب کی یاد تازہ ہو۔ اسی طرح ہماری مائیں، بہنیں، بیٹیاں اسلامی لباس کو فیشن کے طور پر لیں، یہ آپ کا اپنا فیشن ہے، آپ شروع کریں یہی رواج بن جائے گا اور لوگ اسلامی لباس پر فخر کرنے لگیں گے۔

غیروں کی نقالی میں آج ہم جس سمت جا رہے ہیں وہ راستہ ہمیں جہنم کی طرف لے جا رہا ہے۔ اکثر خواتین یہ کہتی ہیں کہ ایسا فیشن ہم نے نہیں کہا تھا، درزی نے ایسے کپڑے سی دیئے ہیں۔ آخرت میں درزی نے بچانے نہیں آنا۔ وہاں سب کو خود اپنا جواب دینا ہوگا۔ دُنیا اپنے آپ کو زیب و زینت کے ساتھ ننگا کرتی ہے، للچاتی ہے اور یہ

شیطان کے حملے سب سے پہلے لباس سے شروع ہوتے ہیں۔ خواتین جب گھر سے باہر نکلتی ہیں تو پہلے میک اَپ لازمی کرتی ہیں۔ میک اپ تو صرف شوہر کے دیکھنے کے لئے جائز ہے، وہ تو گھر میں ہے۔ زیب و آرائش تو صرف شوہر کے لئے جائز ہے۔ چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ جسم کے کسی حصے کو بھی ننگا کرنا، خواہ آدھے بازو کی قمیض ہو، خواہ گلا اگر کھلا سلوا لیں تو تھوڑا سینہ ننگا ہو جائے، خواہ قمیض کے چاک ایسے بنوا لیں کہ تھوڑا سا پیٹ یا سائیڈیں ننگی ہو جائیں، یا قمیض اِتنی تنگ سلوا لیں کہ جسم کے اَعضاء نمایاں ہو جائیں، یہ ساری چیزیں صرف شوہر کے سامنے ہوسکتی ہیں۔ شوہر کے علاوہ جس کسی کے سامنے ایسا کیا تو وہ حرام ہے اور دوزخ کا راستہ ہے۔ گھر سے باہر بازار میں میک اپ کر کے جانا قطعی درست نہیں کیونکہ زیب و آرائش صرف شوہر تک محدود ہے۔

نفس، شیطان اور دُنیا اِنسان کے ایسے مکار دُشمن ہیں کہ آپ کے ذہن میں بھی یہ نہیں آنے دیں گے کہ یہ برا فیشن ہے۔ آپ کے ذہن میں کوئی برائی نہیں ہوگی، بس یونہی رواج فیشن اور اسٹائل کے طور پر، دُنیا کی رواروی اور دیکھا دیکھی کے طور پر ایسا لباس پہن رہی ہیں، ذہن میں کوئی برائی تو نہیں ہے۔ یہی دُنیا اور شیطان کا مکر ہے کہ دھیان اُس طرف نہ جائے کہ میں برائی کر رہی ہوں۔ یہی وہ فیشن ہے جو ہلاکت کا باعث ہے، جدھر آپ کا دھیان بھی نہیں جاتا۔ یہ کام تو صرف شوہر تک کے لئے تھے، یہ تو ماں باپ، بہن بھائی، کسی کے سامنے بھی جائز نہ تھے۔ باہر والوں کے سامنے تو یہ سراسر دوزخ کا ایندھن اور آگ تھی۔ میک اپ کرنا، جسم کو ننگا کرنا، کپڑوں کو تنگ کرنا، آپ جب یہ پہن کر نکلیں گی تو کہیں گی کہ ''آج کل فیشن یہ چل رہا ہے'' یہ ایک جملہ ہے، یہ ایک بولی ہے، جو نفس، شیطان اور دُنیا نے سکھا دی ہے۔ فیشن کیا ہے، اس فیشن کا نام دوزخ کی تیاری ہے۔

ذرا سوچیں اور غور و فکر کرنے کے بعد اپنے انداز واَطوار تبدیل کریں۔ چھوٹے قمیض ترک کر کے لمبے قمیض پہننا شروع کریں، کھلے اور ڈھیلے لباس پہنیں جو جسم کو نمایاں نہ کریں۔ پھر نفس یہ خیال دے گا کہ لوگ کیا کہیں گے! گولی ماریں اُنہیں، آخرت میں جب حساب و کتاب ہوگا تو لوگوں نے بچانے کو نہیں آنا، قبر میں جب عذاب آئے گا تو ان لوگوں میں سے کون ہے جو بچانے آئے گا! عورت سے سوالات کا آغاز ہی اِسی سے ہونا ہے۔ جو عورتیں صرف فیشن کے نام پر عریانی کو اپنائے رہیں اور اُن کے ذہن میں کوئی برا دھیان تو تھا نہیں، یہ مکر اور چال تھی نفس، دنیا اور شیطان کی کہ اُسے پتہ بھی نہ چلے اور برباد بھی ہو جائے، یہی شیطان کی کامیابی ہے، جس کی اس نے اللہ رب العزت کو چیلنج کرتے ہوئے قسم کھائی تھی کہ میں انسان کو اپنی چالوں اور حیلوں بہانوں سے بہکا کر چھوڑوں گا۔ اُس دن پتہ

چلے گا جب پردہ اُٹھے گا، ابھی تو ہماری آنکھوں پر دنیا کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔

ایسے سارے کپڑے جن میں سلائی کی گنجائش ہے اُنہیں کھلوا لیں، ورنہ جلا دیں۔ دوزخ کی آگ میں جلنے سے بہتر ہے کہ دوزخ کا باعث بنانے والے کپڑوں کو جلا دیں، یا غریب گھرانوں کی چھوٹی بچیوں کو دے دیں جن کے ناپ کو پورے ہوں۔

اِسی طرح شادیوں میں فیشن صرف مقابلے بازی ہے۔ اگر آپ دیکھیں کہ ایسی شادی ہے جہاں مقابلہ ہی سارا دُنیاداری کا میک اپ کا اور بربادی کا ہے تو مت جائیں وہاں، صرف نکاح اور ولیمہ میں جائیں جو سنت ہے باقی سب تیل مہندی وغیرہ کی رسموں میں مت جائیں، جہاں شیطان آپ کو بہکانے کو تیار بیٹھا ہے۔ اگر آپ سوچیں کہ برادری والے کیا کہیں گے تو جان لیں کہ برادریاں برباد کرتی ہیں، ان برادریوں نے قبر میں کام نہیں آنا، یہ دین کی بربادی کا راستہ ہے۔

عورت کی زیب و زینت، خوشبو، بناؤ سنگھار، میک اپ سارا کا سارا صرف شوہر کے لئے ہے۔ اس عورت پر آخرت میں دوزخ کا عذاب ہوگا، جو گھر میں شوہر کے دیکھنے کے لئے تو کپڑے بھی نہ بدلے، پرانے میلے کچیلے کپڑوں کے ساتھ پھرتی رہے کہ میں کچن میں مصروف ہوں، اور جب باہر جانے کا وقت آئے، خواہ شادی بیاہ ہے، خواہ شاپنگ ہے، خواہ کسی کے گھر جانا ہے، خواہ کوئی کلچرل فنکشن ہے، تو پھر وہ نہائے دھوئے بھی اور شاندار کپڑے بھی پہنے، پھر میک اپ بھی کرے اور خوشبو بھی لگائے، اور پھر اس انداز کے ساتھ جائے کہ دور دور تک خوشبو بکھیرے۔ اب وہ باہر جاتے ہوئے کس کے لئے بناؤ سنگھار کر کے جا رہی ہے! کس کے لئے خوشبو لگا کے جا رہی ہے! جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا تھا اُسے تو سب کچھ دکھایا نہیں، جس کا دل خوش کرنا تھا، جس کی محبت کو کھینچنا تھا، جس کے ساتھ آپس میں مؤدت پیدا کرنا تھی، تو یہ زیب و زینت، بناؤ سنگھار، خوشبو، کپڑے، فیشن، عورت کے لئے سب کچھ جائز ہے۔ اب اگر شوہر کو وہ عورت یہ چیزیں نہ دے اور جب باہر نکلے تب ہی مہربانی فرمائے، تو سوال ہے کہ اب وہ کس پر مہربانی فرما رہی ہے اور یہ سب کچھ کر رہی ہے، یہ حرام ہے۔

باہر کے لئے زیب و زینت اور گھر کے لئے نظرانداز کرنا، ایسا فیشن عذابِ آخرت اور ہلاکت کا باعث ہوگا۔ بیوی کا فرض ہے کہ جو اچھے سے اچھے کپڑے ہیں، وہ جو شادی کے موقع کے بیس تیس سوٹ سنبھال کر رکھے ہیں، وہ کس کے لئے رکھے ہیں! وہ شوہر کے لئے ہیں۔ ہر روز نئے کپڑے بدلے تو جائز ہے، اس کے لئے حلال ہے، زیور

حلال ہے، اس کے لئے بناؤ سنگھار حلال ہے، میک اپ حلال ہے، زیب و زینت حلال ہے، سب کچھ حلال ہے، مگر جس کے لئے حلال کیا گیا ہے اُس کا دل خوش کرے۔ غیروں کے لئے اور باہر کی مجالس کے لئے نہیں، بیٹیوں کو بہوؤں کو اور خواتین کو اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 624 اور 1045)

6- کوٹ، پینٹ، ٹائی وغیرہ

بعض لوگ کوٹ پینٹ اور ٹائی وغیرہ پہننے کو غیر مسلم قوموں سے مشابہت سمجھتے ہوئے ممنوع قرار دیتے ہیں، جبکہ ایسا نہیں ہے۔ غیر مسلم قوموں کا ہر عمل اُن سے مشابہت کے زُمرے میں نہیں آتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَن تَشَبَّهَ بِقَومٍ فَهُوَ مِنهُ. **(سنن أبی داؤد، 4: 44، رقم: 4013)**

’’جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ اُنہی میں سے (شمار ہوتا) ہے۔‘‘

اس حدیث مبارکہ کی رو سے رسم و رواج کی ہر وہ چیز جو غیر مسلموں تک مخصوص ہو وہ ممنوع ہوگی۔ تشبہ کا مطلب ہے مشابہت اِختیار کرنا۔ جس نے اپنی قوم کو چھوڑ کر کسی دوسری قوم کی مشابہت اِختیار کی، اُن جیسا بنا تو وہ اُن میں سے شمار ہوگا۔ عام چھوٹے موٹے رسم و رواج مشابہت میں نہیں آتے۔ تشبہ اور مشابہت میں وہ امر آتا ہے کہ ایک مسلمان کسی غیر مسلم قوم کے ایسے عمل کو اپنائے کہ اُس عمل کو اپنا کے ایک مسلمان بھی کھڑا ہو اور غیر مسلم بھی کھڑا ہو تو پتہ نہ چلے کہ اُن دونوں میں سے مسلمان کون ہے اور غیر مسلم کون ہے۔ یعنی اس سے مغالطہ ہو جائے، مثلاً عیسائی اپنے گلے میں صلیب کا نشان لٹکاتے ہیں، اگر کوئی مسلمان فیشن کے طور پر صلیب لگا لے تو یہ تشبہ ہے، پھر وہ مسیحیوں میں سے شمار ہوگا، چونکہ یہ تشبہ ہے، اُس نے اُن کی مشابہت اِختیار کر لی۔ اِس کے برعکس ٹائی تشبہ نہیں ہے، چونکہ یہ صرف غیر مسلموں کا لباس نہیں ہے۔ ساری دُنیا ٹائی لگاتی ہے اور ٹائی پہنے ہوئے دیکھ کر کسی کو یہ شک نہیں گزرتا کہ پہننے والا کہیں عیسائی نہ ہو۔ عیسائی، یہودی، مسلمان، ہندو سبھی پہنتے ہیں۔ پوری دُنیا پہن رہی ہے، تو یہ کسی قوم کا تشبہ نہ رہا، بلکہ یونیورسل ڈریس بن گیا۔ یہ فرق آ جاتا ہے تشبہ کا تعین کرنے میں کہ کیا مشابہت ہے اور کیا مشابہت نہیں ہے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 540)

7- شرعی پردہ (Scarf)

پردہ کے احکامات تین درجات پر مشتمل ہیں: فرض، واجب اور مباح۔

ا. 'فرض' وہ پردہ ہے جو ہر خاتون کے لئے ضروری ہے اور اُس کا ترک حرام ہے۔ وہ یہ ہے کہ چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ باقی تمام بدن ڈھکا ہوا ہو۔ اسے شرعی پردہ کہتے ہیں، جس کے لئے کسی خاص طرز کا برقعہ یا لباس ضروری نہیں ہے، ہر علاقے کے رسم و رواج کے مطابق کوئی سا بھی مناسب انداز اختیار کیا جا سکتا ہے۔

2. 'واجب' وہ پردہ ہے کہ جب معاشرے میں مرد بالعموم 'غض البصر' کے قرآنی حکم پر عمل نہ کر رہے ہوں اور بے حیائی کا ماحول عام ہو تو ایسے پرفتن دور ماحول فقہائے کرام نے جوان لڑکیوں کے لئے چہرہ ڈھانپنے کو واجب قرار دیا ہے تاکہ ان کی عزت و عصمت محفوظ رہے۔

3. 'مباح' وہ پردہ ہے کہ جب عورت بوڑھی ہوجائے اور اُس کے پردہ نہ کرنے سے معاشرے میں کسی قسم کا فتنہ پیدا ہونے کا امکان باقی نہ رہے تو اس کے لئے مباح ہے کہ وہ چہرہ ڈھانپے یا نہ ڈھانپے۔

اس ضمن میں مزید وضاحت کے لئے ہمیں مرد کے شرعی پردے کو بھی مدنظر رکھنا چاہیئے۔ بدقسمتی سے ہم پردے کا صرف ایک ہی رخ سامنے رکھتے ہیں اور دوسرے پہلو کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں دو قسم کے پردے کا بیان آیا ہے: پہلی آیت میں مرد کے لئے اور دوسری میں عورت کے لئے۔ آج ہمارے ہاں صرف عورت کے پردے کا مسئلہ بتایا اور پوچھا جاتا ہے جبکہ مرد کا پردہ نہ پوچھا جاتا ہے اور نہ کوئی بتاتا ہے۔ مرد کا پردہ 'غض البصر' ہے، یعنی نا محرم عورت سامنے ہو تو اپنی نظروں کو جھکا لے۔ گویا آنکھ کی شرم و حیا اور آنکھ کا جھکانا مرد کے لئے پردہ ہے۔ آیاتِ کریمہ ملاحظہ ہوں:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذَالِكَ اَزْكىٰ لَهُمْ اِنَّ اللهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ○ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ...

(النور، 24 : 30،31)

''آپ مؤمن مردوں سے فرما دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں، یہ اُن کے لئے بڑی پاکیزہ بات ہے۔ بیشک اللہ اُن کاموں سے خوب آگاہ ہے جو یہ انجام دے رہے ہیں○

اور آپ مؤمن عورتوں سے فرما دیں کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش و زیبائش کو ظاہر نہ کیا کریں۔۔۔''

اگر مرد و عورت دونوں پردے کے شرعی اَحکامات پر عمل کریں تو پھر کبھی فتنہ پیدا نہیں ہوگا، مگر بدقسمتی یہ ہے کہ مرد اپنے اوپر تو پردے کی شرائط عائد نہیں کرنا چاہتا جبکہ صرف عورت پر پردے کو لاگو کرنے کا خواہشمند ہے۔ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ جب اس کی نگاہ کسی نامحرم عورت کو دیکھ کر نہیں جھکے گی تو اس کی بیوی کو بھی زمانہ انہی نظروں سے دیکھے گا۔ یہ تو دوطرفہ عمل ہے۔ پرانے وقتوں میں ایسا یکطرفہ نظام نہیں ہوتا تھا، چنانچہ جب دونوں طرف سے شرعی اَحکامات کی پابندی ہوتی تھی تو فتنہ پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اب موجودہ زمانے میں جہاں ماحول ہی یہ بن چکا ہے کہ مرد بالعموم 'غض البصر' کی پابندی نہیں کرتا، ایسے ماحول میں اگر جوان لڑکیاں صرف فرض پردے پر عمل کرتے ہوئے کھلے چہرے کے ساتھ باہر نکلیں گی تو فتنہ پیدا ہونے کے امکانات ہیں۔ اس لئے اس فتنے سے خود کو بچانے کے لئے انہیں چاہیئے کہ وہ اپنے چہروں کو بھی ڈھانپیں، یہ اِقدام فتنہ کو رفع کرنے کے لئے ہے۔ اگر آج بھی دنیا میں کوئی ایسا علاقہ ہو جہاں فتنہ کا اِمکان نہ ہو تو وہاں محض فرض پردہ پر بھی اِکتفا کر لینا ہی کافی ہوگا۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 894)

8- مخلوط نظامِ تعلیم (Co-Education)

طالبات کے لئے پرائمری سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک جداگانہ اور آزادانہ نظامِ تعلیم ہونا چاہیئے، جہاں صرف خواتین اساتذہ تدریس کے فرائض سرانجام دیں۔ اس سے وہ مردوں کے تسلط میں دبے رہنے کی بجائے آزادانہ تعلیم حاصل کر سکیں گی بلکہ معاشرے میں اہم کردار ادا کرنے کے قابل ہو سکیں گی۔ کو ایجوکیشن کی صورت میں طالبات کو بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جن سے ہمارے معاشرے میں بسنے والا ہر ذی شعور آگاہ ہے۔ بیشتر سنجیدہ طالبات ایسے ہی مسائل کے پیشِ نظر اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کر پاتیں اور اُن کی صلاحیتیں ضائع جاتی ہیں۔ اگر طالبات کے لئے الگ سکول، کالجز اور یونیورسٹیاں بنائی جائیں تو وہ تعلیم کے میدان میں کئی گنا بہتر نتائج دے سکتی ہیں۔ مردوں کے ساتھ ساتھ اگر خواتین کے لئے بھی اعلیٰ تعلیمی اِدارے قائم کئے جائیں تو نہ صرف خواتین کی شرحِ خواندگی میں بھی

معقول اِضافہ ہو سکے گا بلکہ وہ ملکی ترقی میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔

9- تعلیمی مقاصد کے لئے لڑکے اور لڑکی کا باہمی رابطہ

آج کا نوجوان یہ پوچھتا ہے کہ کیا لڑکا لڑکی تعلیمی مقاصد کے لئے باہم رابطہ رکھ سکتے ہیں۔ سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ کیا مقاصد ہو سکتے ہیں جو لڑکے اور لڑکی نے باہم بیٹھ کے ڈسکس کرنے ہیں؟ کیا دو لڑکے مل کر وہی مقاصد حاصل نہیں کر سکتے؟ میں آج تک اُن تعلیمی مقاصد کو نہیں سمجھ سکا۔ میری ساری زندگی کالج اور یونیورسٹی میں گزری ہے، جہاں نظام ہی مخلوط تعلیم کا ہے۔ تعلیمی مقاصد کبھی کسی کے سامنے نہیں رہے، یہ تو صرف نفسیاتی مقاصد ہوتے ہیں، آنکھ کے مقاصد ہوتے ہیں اور طلبِ شہوت کے مقاصد ہوتے ہیں، جس کے لئے لڑکوں اور لڑکیوں کا اکٹھے بیٹھنا ضروری ہوتا ہے۔ تعلیمی مقاصد پیش نظر ہوتے تو طالبات کے لئے الگ یونیورسٹیاں بنائی جاتی، جداگانہ نظامِ تعلیم دیا جاتا، جہاں وہ مردوں کے تسلط سے آزاد رہ کر دل جمعی سے تعلیم حاصل کر سکتیں۔ میں خود اسی مخلوط نظامِ تعلیم میں پڑھا ہوں۔ مجھے تو اپنے زمانہ طالب علمی میں ایسا کوئی ایک بھی ایسا تعلیمی مقصد نظر نہیں آیا جس میں لڑکوں کا کسی لڑکی کے ساتھ ڈسکشن کرنا ضروری ہو۔ یہ سب کہنے والی باتیں ہیں۔ میں نے کو ایجوکیشن کے ماحول میں تعلیم حاصل کرنے کے باوجود کبھی کسی لڑکی سے ڈسکشن نہیں کی اور الحمدللہ میرے تو کوئی مقاصد متاثر نہیں ہوئے اور میں فرسٹ پوزیشن لے کر یونیورسٹی سے فارغ ہوا۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: انٹرویو شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر:1002)

10- اِنٹرنیٹ کا اِستعمال

اِنٹرنیٹ محض اِبلاغ کا ایک ذریعہ ہے۔ اس اطلاعاتی نظام کو آپ زندگی کے مثبت مقاصد میں استعمال کر کے بھرپور اِنقلاب بھی لا سکتے ہیں اور نئی نسل کی تباہی میں بھی انٹرنیٹ ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ جب بھی کوئی نئی چیز ہمارے معاشرے میں آتی ہے تو سب سے پہلے ہم اس کا منفی استعمال شروع کرتے ہیں۔ اس کے مثبت استعمالات بعد میں سامنے آتے ہیں۔ یہی حال انٹرنیٹ کا بھی ہے۔ نوجوان بچے اور بچیاں سارا سارا دن انٹرنیٹ پر اجنبیوں سے چیٹ کرتے، جھوٹ بول بول کر اُنہیں بے وقوف بناتے اور بنتے رہتے ہیں۔ کہیں جنس مخالف سے چیٹ کا چسکا ہے تو کہیں کمیونٹی ویب سائٹس پر وقت ضائع کیا جا رہا ہے۔ الغرض ساری توانائی نوجوان نسل کو وقت

اور پیسے کی بربادی کی طرف دھکیل رہی ہے۔

جہاں انٹرنیٹ ہمارے معاشرے میں اس قدر تباہی لایا ہے، وہیں اس کی مدد سے تبلیغ اسلام کے نئے دروازے بھی کھلے ہیں۔ اسلامی لٹریچر کی آن لائن اشاعت نے مغربی دنیا کو یہ موقع فراہم کیا ہے کہ وہ افواہوں پر کان دھرنے کی بجائے براہِ راست اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کر کے اسلام کو سمجھ سکیں اور اس کے نتیجہ میں مغربی ممالک میں قبولِ اسلام کی شرح میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ مغربی ممالک میں بسنے والے تارکین وطن کا اپنے ہم وطنوں کے ساتھ تیز تر رابطہ ممکن ہو سکا ہے اور دین سے دور بھاگنے والے تارکین وطن کی اگلی نسل انٹرنیٹ کی بدولت پھر پلٹ کر اسلام کی طرف آ رہی ہے، کیونکہ انہیں اپنی اصل کے ساتھ رابطے کا ذریعہ میسر آ گیا ہے۔

تحریک منہاج القرآن نے اِسلامی فکر و فلسفہ اور قرآن و سنت کی تعلیمات کے عالمی فروغ کے لئے درجنوں ویب سائٹس جاری کر رکھی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

تحریک منہاج القرآن	www.Minhaj.org
قرآن مجید کا سلیس اُردو / انگلش ترجمہ	www.Irfan-ul-Quran.com
اسلامی لائبریری (600 سے زائد کتابیں)	www.MinhajBooks.com
اسلامی ملٹی میڈیا (ہزاروں خطابات، نعتیں، قوالیاں)	www.DeenIslam.com
ماہنامہ منہاج القرآن	www.Minhaj.info
فتویٰ آن لائن	www.TheFatwa.com

فتنہ وفساد کے عالم میں اِسلامی قدروں کے احیاء کے لئے، دین کے پیغام کو دُنیا بھر میں بکھری ہوئی اگلی نسلوں تک بہتر انداز میں پہنچانے کے لئے اور دہشت گردی کے اِس دور میں اِسلام کو حقیقی طور پر دینِ امن ثابت کرنے کے لئے ہمارا ساتھ دیں تا کہ آج کے جدید دور کے تقاضوں کے مطابق اِسلام کا قابلِ عمل پیغام بہتر سے بہتر انداز میں کروڑوں اربوں لوگوں تک پھیلایا جا سکے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: www.minhaj.org/eid/8505)

11- موبائل فون کا اِستعمال

اِنٹرنیٹ کی طرح موبائل فون کا اِستعمال بھی نوجوان نسل کی بے راہ روی میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ موبائل فون کے ہر شخص کی دسترس میں آنے سے جہاں زندگی کے بہت سے پہلوؤں میں آسانی پیدا ہوئی ہے، وہاں اس نے پوری قوم کو باتونی بھی بنا دیا ہے اور ہم دنیا میں ایک عمل سے عاری قوم کے طور پر اُبھرے ہیں۔ کسی بھی سہولت کا اِستعمال اگر مثبت مقاصد کے لئے ہو تو وہ اِسلام کی نظر میں پسندیدہ ہے اور قومی و اِنفرادی سطح پر بھی فائدہ مند ہے، مگر وہی شے اگر منفی مقاصد کے لئے اِستعمال ہونے لگے تو نہ صرف اُس کے اِنفرادی و قومی سطح پر منفی نتائج نکلتے ہیں بلکہ اِسلام کی نظر میں بھی وہ سخت ناپسندیدہ ہے۔ اکثر ٹی وی پر موبائل فون کے جو اِشتہارات چلتے ہیں وہ نوجوان نسل کو سراسر جہنم کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ نوجوان لڑکے لڑکیوں کو غیر محرموں کے ساتھ رابطے کے نت نئے طریقے سکھائے جا رہے ہیں اور اس ملک کے نوجوانوں کی بڑی آبادی موبائل فون کے چنگل میں پھنس کر اپنی عاقبت برباد کر رہی ہے۔

اِسی طرح ہم قومی سطح پر بھیڑ چال کے مریض بھی واقع ہوئے ہیں اور بہت سے کام صرف اِس وجہ سے کرتے ہیں کہ دُوسرے بھی وہی کام کر رہے ہوتے ہیں۔ گفتگو کے علاوہ موبائل فون SMS کے لئے بھی اِستعمال کیا جاتا ہے اور کم و بیش سب لوگ حاصل ہونے والے ہر پیغام کو بلاتحقیق اپنے دوستوں کی طرف فارورڈ کرنے لگتے ہیں۔ ایسے میں ہم تاجدارِ کائنات ﷺ کا یہ فرمان بھول جاتے ہیں کہ ''انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات (بلاتحقیق) آگے پھیلانے لگے۔'' یاد رکھیں! جس طرح نیک بات کو آگے پھیلانا صدقہ جاریہ ہے اور جہاں تک وہ بات پہنچتی جائے گی اُس کا ثواب ہمیں بھی ملتا جائے گا، وہیں بلاتحقیق SMS کو آگے منتقل کرنا 'گناہِ جاریہ' بھی ہوسکتا ہے اور اس صورت میں وہ جھوٹی حدیث یا جھوٹا پیغام جہاں جہاں تک جائے گا اُس کا گناہ ہمارے سر بھی ہوگا اور ہمیں قیامت کے دن اُس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اسی طرح اَخلاق سے گرے ہوئے پیغامات بھی گناہِ جاریہ ہیں۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 624)

12- معاشرتی برائیوں سے کیسے بچیں؟

دُنیا ایک گلوبل ویلیج بن چکی ہے اور کمیونیکیشن اِتنی وسیع اور تیز رفتار ہوگئی ہے کہ اُس کی وجہ سے کوئی بھی خبر سیکنڈز کے اندر اندر پوری دُنیا میں پھیل جاتی ہے۔ یوں خیر اور شر کے اَثرات بھی تیز تر ہو گئے ہیں۔ پچھلی صدیوں میں

ایک شہر کے لوگ دُوسرے شہر کے حالات، کلچر، رہن سہن، اچھائی و برائی، نیکی و بدی سے آگاہ نہیں ہوتے تھے۔ لوگوں کا تعلق اپنے اپنے شہروں اور علاقائی ماحول تک رہتا تھا۔ اس زمانے ہندوستان کے لوگوں کی خبر عالم عرب کو نہ تھی، عرب کے احوال کی خبر ہند کو نہیں تھی۔ وسطی ایشیا اور مشرق وسطیٰ ایک دوسرے سے بے خبر ہوتے تھے۔ دُنیا میں ہونے والی ڈویلپمنٹ کے ماحولیاتی اثرات علاقائی ہوتے تھے۔ بعض اوقات آس پاس کے شہروں سے آگے کی خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ تب لوگوں کو خیر کی طرف بلانے والے افراد بھی اپنے اپنے علاقوں کی سطح پر حلقات، خانقاہیں اور مراکز بنا کر دین کی ترویج کا کام کرتے تھے۔ چونکہ ہر علاقے میں شر کا پھیلاؤ مقامی سطح تک رہتا تھا اِس لئے اُس کے علاج کے لئے مقامی سطح کی کوششیں ہی کارگر رہتی تھیں۔

بیسویں صدی سے شروع ہونے والا ٹیکنالوجی کا حالیہ عروج دُنیا کو گلوبل ویلیج بنا چکا ہے۔ جس طرح ایک زمانے تک لوگ اپنے قصبے، گاؤں یا شہر کی حد تک ایک دوسرے سے اچھے اور برے اَثرات کو قبول کرتے تھے، اُسی طرح اب پوری دُنیا ایک گاؤں بن گئی ہے اور لوگ پورے عالم کے اَثرات لیتے ہیں۔ جو کچھ آج کل امریکہ میں ہو رہا ہے لاہور میں بیٹھا شخص اُس کا فوری اثر لے رہا ہے۔ ذرائع اِبلاغ، الیکٹرانک میڈیا، ٹی وی، کمپیوٹر، اِنٹرنیٹ اور موبائل تیزی سے مشرق و مغرب کو باہم ملا رہے ہیں۔ ایک چھوٹی سی سکرین آپ کے سامنے ہے اور آپ اُسی پر ساری دنیا کو دیکھ رہے ہیں کہ کہاں کیا ہو رہا ہے۔ خیر بھی اُسی پر آ رہا ہے اور شر بھی بلاروک ٹوک اُسی پر آ رہا ہے۔ اب ساری دُنیا کی معلومات، اَحوال اور اَثرات سمٹ کر موبائل فون کی صورت میں آپ کے ہاتھ میں آ جاتے ہیں۔ آنے والے وقت میں ٹی وی کے مختلف چینلز کے کنکشن لینے کی زحمت بھی ختم ہو جائے گی، ٹی وی چینلز بھی کمپیوٹرز اور موبائل پر بآسانی دستیاب ہوں گے۔

ٹیکنالوجی کے فروغ سے جہاں اِنسانیت کو اُس کے خوشگوار اثرات مل رہے ہیں اُس سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ منفی اَثرات اور نقصان دہ پہلو پھیل رہے ہیں۔ پرانے دور میں والدین بچوں کو برے دوستوں کی صحبت سے بچانے کے لئے گھر سے باہر جانے سے روکتے تھے، اب ہر قسم کی اچھی و بری صحبت اُنہیں گھر میں اسٹڈی ٹیبل پر میسر ہے۔ بچوں کے کمرے میں پڑا کمپیوٹر اُنہیں اچھے برے ہر قسم کے دوستوں سے چند سیکنڈز میں ملا دیتا ہے۔ بچوں کا کمپیوٹر اور موبائل ہی اُن کی صحبت ہے، اچھا اِستعمال کر لیں یا برا۔ یوں اب گھر میں بیٹھ رہنے سے بری صحبت سے بچنا ممکن نہیں رہا، جو چاہیں سن لیں، دیکھ لیں، جس سے چاہیں بات کر لیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی سے جہاں

ذرائع بڑھ گئے ہیں، وہاں برائی بھی اُتنی ہی طاقتور ہوگئی ہے۔ پرانے دور میں لوگوں کو شر سے بچنے کے لئے تنہائی اور خلوت کا سبق دیا جاتا تھا، اب خلوت خود جلوت ہوگئی ہے، تنہائی خود صحبت اور مجلس بن گئی ہے، کوئی بچ کے جائے تو کہاں جائے! اب صحبتِ بد سے پرانے انداز میں بچنے کی کوششیں کامیاب نہیں ہوسکتیں۔

دورِ جدید کی یہ تمام سہولتیں اُٹھا کے گھر سے باہر پھینکنا یا پھر بستر بوریا اُٹھا کر جنگلوں غاروں میں جا کر رہنا بھی ممکن نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اِسی دُنیا میں رہتے ہوئے اور حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے ایسا کون سا طریقہ اپنایا جائے کہ ہم خود اور ہماری اگلی نسلیں صحبتِ بد کے اَثرات سے بچ سکیں اور ہمارا دین و اِیمان محفوظ رہے!! اِس کا صرف اورصرف ایک ہی حل ہے، وہ یہ کہ ہر قسم کی صحبتِ بد کے اَثرات کا اِزالہ صحبتِ نیک کے ذریعے ہی ممکن ہے، اِس کے علاوہ اور کوئی طریقہ ممکن نہیں۔ قرآن مجید میں اللہ ربّ العزت نے فرمایا:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ○ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّآلِّيْنَ○

(الفاتحه، 1 : 5 - 7)

’’ہمیں سیدھا راستہ دکھا○ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اِنعام فرمایا○ اُن لوگوں کا نہیں جن پر غضب کیا گیا اور نہ (ہی) گمراہوں کا○‘‘

قرآنی حکم کے مطابق صحبتِ بد کے توڑ کے لئے صحبتِ صالح کو اِختیار کر لیا جائے تو بری صحبت کے اَثرات سے بچا جا سکتا ہے۔ جتنا صحبتِ صالح طاقتور ہوگی اُسی قدر بندہ صحبتِ بد کے اَثرات سے بچ سکے گا۔ جتنے مختلف اَقسام کے حملے دین و اِیمان پر ہو رہے ہیں اُن تمام حملوں کے مقابلے کے لئے ایسی طاقتور نیک صحبت کی ضرورت ہے جو بری صحبت کے تمام حملوں سے بچا سکے۔ اگر ہم ایسی نیک صحبت اِختیار کر لیتے ہیں جس کے پاس دفاع کی صورت تو ہے مگر ہتھیار صرف ایک ہی ہے۔ سو (100) ہتھیاروں سے حملہ آور صحبتِ بد کے مقابلے کے لئے ایک ہتھیار سے مقابلہ ممکن نہیں رہے گا۔ اِیمان پر حملے کئی اَقسام کے ہیں اس لئے اُن سے بچانے کے لئے ایسی نیک صحبت کی ضرورت ہے جو ہر قسم کے حملوں سے بچا سکے۔ اگر صحبتِ بد کا حملہ دماغ پر ہو تو صحبتِ نیک اُسے عقل و فہم کے ذریعے بچا سکے، اگر اُس صحبت کا اثر ہمارے دل پر ہو جائے تو جذباتی طریق سے بھی اُس سے بچاؤ کیا جا سکے، اگر اُس کے

اَثرات ہمارے عمل پر ہو جائیں تو عملی طریق سے بھی بچاؤ کا سامان ہونا چاہیئے، اگر نفسیاتی حملہ ہو تو نفسیاتی سطح پر بھی اُس سے دفاع کا سامان ملنا چاہیئے، اگر اَخلاقی حملہ ہے تو اَخلاقی سامان ملنا چاہیئے، اگر صحبتِ بد کا حملہ روحانی نوعیت کا ہے تو روحانی علاج کا سامان بھی ہونا چاہیئے، سماجی و معاشرتی اَثرات ہو رہے ہوں تو سماجی و معاشرتی دفاع ہونا چاہیئے۔ الغرض آج کے دور میں ہمہ جہتی حملوں کے مقابلے میں صحبتِ خیر کے پاس ہمہ جہتی دفاعی نظام ہونا چاہیئے تاکہ صحبتِ بد جس انداز سے بھی اِیمان پر حملہ آور ہو وہ اُسے متعلقہ ہتھیار کے ساتھ تباہی سے بچا سکے۔ جس زمانے صرف ٹینک سے جنگ ہوتی تھی تب ٹینک کا جواب ٹینک سے دینا ممکن تھا، جب ائیرفورس کا زمانہ آ گیا تو ٹینک سے اُس کا حملہ روکنا ممکن نہیں رہا۔ اب ضروری ہے کہ صحبتِ صالح کے پاس ہر قسم کے حملوں سے دِفاع کا اِنتظام ہو جن سے اِس جدید سائنس وٹیکنالوجی کے دور میں نئی نسلوں کو سابقہ پڑ رہا ہے اور ایسی جامع اور ہمہ گیر نیک صحبت ہی ہمیں بری صحبت کے اَثرات سے بچا سکتی ہے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر:1065)

13- گداگری

گداگری ایک ایسا فعل ہے جو اِنسان کو کام چور، معاشی جدوجہد سے دُور اور قناعت سے رُوگردانی کی طرف لے جاتا ہے۔ اِس سے بے شمار اَخلاقی، سماجی اور معاشی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِسلام میں گداگری کی مذمت کی گئی ہے۔ احادیثِ نبوی ﷺ میں ہے:

اليد العليا خير من اليد السفلى.

(صحيح بخاري، 2 :518، رقم:1361)

’’اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔‘‘

ما يزال الرجل يسأل الناس حتى يأتي يوم القيامة وليس في وجهه مزعة لحم.

(صحيح بخاري، 2 :536، رقم:1405)

’’گداگر ہمیشہ لوگوں سے مانگتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت کا دن آ جائے گا اور اُس کے چہرے پر گوشت کا

ٹکڑا بھی نہ ہو گا۔‘‘

لأن يحتزم أحدكم حزمة من حطب فيحملها على ظهره فيبيعها خير له من أن يسأل رجلاً فيعطيه أو يمنعه.

(صحيح مسلم، 2 : 721، رقم:1042)

’’اگر تم میں سے کوئی لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لادے پھر ان کو بیچ دے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اس بات سے کہ وہ لوگوں سے مانگے، معلوم نہیں کہ وہ دیں یا نہ دیں۔‘‘

گداگری ایک ایسی معاشرتی برائی ہے، جو مزید کئی برائیوں کو جنم دیتی ہے۔ بھکاریوں کو خیرات دینا گداگری کی حوصلہ اَفزائی کرنے کے مترادف ہے، یوں بڑے شہروں میں بھکاریوں کی فوج پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ اگر اہلِ ثروت بھکاریوں کو صدقات سے نوازتے رہیں گے تو اُن کے صدقہ و خیرات کے اصل مستحقین محروم رہ جائیں گے۔

مخیرّ حضرات پر لازم ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے رشتہ داروں میں اور پھر اپنے محلّہ داروں یا قریب کی بستیوں میں ایسے سفید پوش مفلسوں کو تلاش کریں جن کی حالت غربت کی لکیر سے نیچے ہے اور وہ بھیک نہیں مانگتے۔ ایسے لوگوں کے لئے ماہانہ بنیادوں پر وظائف مقرر کریں اور حتیٰ الامکان ہر ماہ خود جا کر اُنہیں مقررہ رقم دیں تاکہ اُن کی عزتِ نفس مجروح ہونے سے بچے۔ وہ بھی یوں کہ ایک ہاتھ سے دیں تو دوسرے کو پتہ نہ چلے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ’’اِسلامی نظامِ معیشت کے بنیادی اُصول‘‘)

14- ہوائی جہاز میں نماز

ہوائی جہاز چونکہ زمین سے بہت بلندی پر پرواز کر رہا ہوتا ہے اس لئے بسا اوقات اُس پر براہِ راست سورج کی شعاعیں پڑ رہی ہوتی ہیں، لیکن جونہی وہ نیچے رن وے پر اُترتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سورج غروب ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے، حتیٰ کہ بعض اوقات نمازِ مغرب کا وقت قریب الاختتام ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کا حل بڑا سادہ ہے، وہ یہ کہ جہاز میں سوار مسافروں کو اُس خطے کے نظام الاوقات کی پابندی کرنا ہوتی ہے جس کے اُوپر جہاز اُڑ رہا ہو۔ اگر نیچے زمین پر واقع شہر میں نمازِ مغرب کا وقت شروع ہو جائے تو جہاز میں موجود مسافر نمازِ مغرب پڑھ سکتے ہیں، اگرچہ

اُنہیں سامنے سورج دکھائی دے رہا ہو۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 894)

15- قطبین پر نماز اور روزہ

سکینڈے نیویا کے مما لک ناروے، سویڈن اور فن لینڈ اور ان کے علاوہ روس اور کینیڈا کے شمالی علاقے قطب شمالی کے قریب واقع ہونے کی وجہ سے وہاں گرمیوں میں دن نہایت طویل ہوتے ہیں اور راتیں سکڑ کر محض دو سے تین گھنٹے کی رہ جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ بعض شمالی علاقوں میں تو مغرب کے فوری بعد فجر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور مسلسل کئی ماہ تک نماز عشاء کا وقت نہیں آتا۔ ایسے علاقوں کے رہنے والوں مسلمانوں کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ (جنوب کی سمت واقع) قریب ترین شہر کے اَوقاتِ صلاۃ کے مطابق نماز ادا کریں۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

لَایُکَلِّفُ اللهُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا.

(البقرہ، 2 : 286)

’’اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔‘‘

شرق سے غرب تک دُنیا کا کوئی بھی گوشہ ہو، دین پر عمل کرنے میں کہیں بھی دُشواری اور مشکل نہیں ہے۔ مشکل صرف اس لئے لگتی ہے کہ ہمیں خبر نہیں ہوتی کہ دین کا حکم کیا ہے۔ قطب شمالی اور قطب جنوبی کے قریب واقع وہ علاقے جہاں تین تین مہینے سورج غروب ہی رہتا ہے یا طلوع ہی رہتا ہے اور اسی طرح عین قطب پر تو یہ وقت چھ ماہ تک طویل ہوتا ہے، اس کا طریقہ بڑا آسان ہے کہ اس کے قریب تر ملک، جہاں طلوع اور غروب کا نظام ہے، وہاں کے فجر سے عشاء تک کے اوقات معلوم کر لئے جائیں، اور وہاں کے لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ جہاں چھ ماہ دن رہے یا رات ہو، ان مقررہ اوقات کے مطابق نماز اور روزے کے معمولات کو جاری رکھا جائے گا۔ قرآن مجید میں فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوةَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِینَ کِتَابًا مَّوْقُوتًاo

(النساء، 4 : 103)

’’بیشک نماز مؤمنوں پر مقررہ وقت کے حساب سے فرض ہےo‘‘

قرآن مجید میں جہاں طلوع اور غروب کے اَحکام آئے ہیں وہاں یہ بھی ایک اُصولی حکم ہے کہ نمازیں اوقات کے تقرر و تعین کے ساتھ فرض ہیں۔ پس دُنیا کے جن خطوں میں طلوع اور غروب موجود ہی نہیں ہے وہاں اوقات کا تعین گھڑیوں کے حساب سے کر لیا جائے گا۔ آپ اس کا تعین قریبی ملک کے ساتھ کر سکتے ہیں اور ایسے ممالک میں یہی معمول چل بھی رہا ہے۔ عملاً اُمتِ مسلمہ کو یہ دُشواری درپیش نہیں ہے۔ ایسے ممالک میں لوگ اسی اُصول کے مطابق نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں اور یہ درست اصول ہے۔

سٹاک ہوم، اوسلو وغیرہ میں روزہ بائیس گھنٹے کا ہوتا ہے، مزید شمال کے شہروں میں تئیس گھنٹے تک بھی چلا جاتا ہے۔ ہم نے اُن دنوں میں وہاں رہ کر بھی دیکھا ہے کہ یہ اللہ کی نعمت ہے کہ جہاں دن اتنا طویل ہو جاتا ہے اور رات چھوٹی سی رہ جاتی ہے وہاں موسم اللہ نے ایسے رکھے ہیں کہ بائیس گھنٹے کا روزہ ہمارے ہاں کے سولہ گھنٹے کے روزے سے بھی بدرجہا آسان ہوتا ہے۔ کوئی مشقت یا تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ اسی طرح جب سردیاں آتی ہیں، دن نہایت چھوٹے ہو جاتے ہیں اور راتیں بڑی ہو جاتی ہیں۔ ان کا نظام الاوقات جہاں دوسرے علاقوں سے مختلف ہے وہاں موسموں کا تغیر بھی اُسی حساب سے ہے کہ موسم میں گرمیوں کی شدت نہیں ہوتی۔ اس لئے بھوک اور پیاس ان کے لئے ہرگز تکلیف کا باعث نہیں ہوتی۔

بنیادی تصور یہ ہے کہ وقت کے پیمانے کے زیادہ وسیع اور تنگ ہونے سے کوئی غرض نہیں، غرض اس سے ہے کہ اِنسانی جان مشکل میں نہ پڑے۔ موسم اچھا ہو تو وہ بائیس گھنٹے کا روزہ بھی تکلیف نہیں دیتا، تو وہ مدعا پورا ہوا کہ جان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں۔ اب اگر کوئی شخص بیمار ہے اور وہ اپنی بیماری کی وجہ سے اتنا طویل روزہ نہیں رکھ سکتا تو اُس کے اَحکام اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے قرآن و حدیث میں الگ سے دے رکھے ہیں۔ بیمار کے احکام یہاں بھی ہیں کہ وہ قضا کر سکتا ہے اور دائمی مریض ہے تو فدیہ دے سکتا ہے۔ یہ سہولت وہاں کے بیمار کو بھی اُسی طرح میسر ہے۔ جو صحت مند لوگ ہیں وہ وہاں کے ماحول کے عادی ہیں، اس لئے اُنہیں موسم کے ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے لمبے روزے کی تکلیف کا پتہ بھی نہیں چلتا۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 894)

16- پاکستان سے سعودی عرب جانے والے شخص کے روزے

اگر کوئی شخص یکم رمضان المبارک کو پاکستان میں تھا اور اُس نے پہلا روزہ پاکستان میں رکھا اور چند دن کے بعد وہ سعودی عرب چلا گیا تو آج کل کے حالات کے مطابق اُس نے سعودی عرب سے دو دن بعد روزے شروع کئے۔ اُس کے 28 ویں روزے کی شام کو اگر سعودی عرب میں عیدالفطر کا اِعلان ہو گیا تو وہ سعودی عرب کے مطابق عیدالفطر کرے۔ اب یہ تو قطعی امر ہے کہ رمضان المبارک کے روزے 29 سے کم نہیں ہو سکتے اِس لئے باقی بچ جانے والا روزہ وہ عید کے بعد قضا کرے۔

17- سعودی عرب سے پاکستان آنے والے شخص کے روزے

اگر کوئی شخص یکم رمضان المبارک کو سعودی عرب میں تھا اور اُس نے پہلا روزہ وہیں رکھا اور چند دن کے بعد وہ پاکستان آ گیا تو آج کل کے حالات کے مطابق اُس نے پاکستان سے دو دن قبل روزے شروع کئے۔ اب یہ تو قطعی امر ہے کہ رمضان المبارک کے روزے 30 سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ اس شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی گنتی کے حساب سے پاکستان کے 28 ویں روزے تک اپنے 30 روزے پورے کرے۔ اگلے دن یعنی پاکستان میں 29 رمضان المبارک کو اس شخص پر روزہ فرض نہیں۔ البتہ پاکستان میں جاری رمضان المبارک کے احترام میں وہ عوام الناس کے سامنے نہ کھائے پیئے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے رمضان المبارک کا تذکرہ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

لا تصوموا حتی تروا الهلال. ولا تفطروا حتی تروه، فان أُغمی علیکم فاقدروا له.

(صحیح مسلم، 4 :759، رقم:1080)

’’چاند دیکھے بغیر روزہ نہ رکھو اور چاند دیکھے بغیر عید (بھی) نہ کرو، اور اگر مطلع ابرآلود ہو تو (روزوں) کی مدت پوری کرو (یعنی ۳۰ روزے پورے کرو)۔‘‘

پس ضروری ہے کہ جس جگہ بھی چاند دیکھنے پر رمضان المبارک کا آغاز کیا تھا، اُسی کے حساب سے 30

روزے پورے کرے، کیونکہ کوئی قمری مہینہ 30 دن سے زیادہ نہیں ہوتا۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ”روزہ اور اِعتکاف“ / سی ڈی نمبر: 393)

18- سعودی عرب سے پاکستان آنے والے شخص کا اِعتکاف

اگر کوئی شخص سعودی عرب میں رمضان المبارک کا آغاز کرتا ہے، جو پاکستان سے دو دن پہلے تھا اور وہ دسویں روزے کو پاکستان آ گیا تو یہاں ابھی آٹھواں روزہ تھا۔ اب وہ اعتکاف بیٹھنا چاہتا ہے تو اس کا اِعتکاف پاکستان کے اٹھارہویں روزے کو شروع ہوگا، کیونکہ اس کے بیس روزے پورے ہو جائیں گے۔ اسی طرح پاکستان کے اٹھائیسویں روزے کو اس کے ۳۰ روزے پورے ہو جانے پر اس کا اعتکاف (دس دن) پورا ہو جائے گا۔ اب وہ چاہے تو اعتکاف سے نکل جائے چاہے تو نفلی اعتکاف کی صورت میں پاکستان میں چاند ہونے تک مسجد میں ٹھہرا رہے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ”روزہ اور اِعتکاف“)

19- اِعتکاف اور خواتین کے ایام

اِعتکاف کے دوران اگر صحت پر برے اثرات مرتب نہ ہوں تو خواتین کے لئے شرعی عذر (حیض) کو روکنے کے لئے ٹیبلٹ یا انجکشن وغیرہ اِستعمال کرنا جائز ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ اِعتکاف کے دوران اِفطاری کے بعد سے لے کر اگلے روزے کی سحری تک انجکشن لینا جائز ہے۔ لیکن اگر انجکشن لگوانے یا ٹیبلٹ لینے کے باوجود کسی وقت عذرِ شرعی لاحق ہو جائے تو مسنون اِعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ”روزہ اور اِعتکاف“)

20- پسند کی شادی (Love Marriage)

یہ والدین کا فرض ہے کہ وہ شادی سے قبل لڑکی کی مرضی پوچھیں۔ اُس کی مرضی کے بغیر شادی مسلط کرنا قطعی جائز نہیں ہے۔ اِسلام میں پسند کی شادی جائز ہے مگر اُس کا طریقہ جائز ہونا چاہیئے کہ والدین کو شریک کریں تا کہ کسی قسم کی پیچیدگی پیدا ہونے سے پہلے معاملہ بہتر ہو۔

اکثر اوقات لڑکے لڑکی کا شادی سے پہلے بہت آگے تک چلے جانا ہی دونوں طرف کے والدین کے لئے

عزت اور غیرت کا مسئلہ بن جاتا ہے اور پسند کی شادی میں رکاوٹ آ جاتی ہے۔ اس لئے اگر اِعتدال کی راہ اپنائی جائے اور شروع میں ہی والدین کو اِعتماد میں لے لیا جائے تو ایسی نوبت نہ آئے۔

کامیاب شادی کے لئے ساتھی کی تلاش کے دوران اِس حدیث مبارکہ کو مدِنظر رکھنا چاہیئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

تُنکح المرأة لأربع، لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها، فاظفر بذاتِ الدين.

(متفق عليه بخاری و مسلم)

''کسی عورت سے شادی کرنے کی چار وجوہات ہوتی ہیں۔ اُس کے مال و دولت کی بنیاد پر، اُس کے خاندان کی بنیاد پر، اُس کی خوبصورتی کی بنیاد پر اور اُس کے کردار کی بنیاد پر کی جاتی ہے، جبکہ کامیاب وہ شادی ہے جو کردار کی بنیاد پر ہو۔''

شادی سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھنا جائز ہے۔ لیکن ساتھ میں گھومنا پھرنا جائز نہیں، اس سے کئی قباحتیں پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔ منگیتر کے اَخلاق و کردار کو جاننے اور معلومات کے دیگر ہزاروں ذرائع ہو سکتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ مغربی معاشرہ میں سب سے زیادہ ایک دوسرے کو جاننے کا رواج ہے۔ وہاں لڑکا لڑکی شادی سے پہلے سالہا سال بطور دوست اکٹھے رہتے ہیں اور پھر شادی کرتے ہیں، مگر سب سے زیادہ طلاقیں بھی وہیں ہوتی ہیں۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: انٹرویو شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 1001)

21- کورٹ میرج (Court Marriage)

اِسلام میں پسند کی شادی جائز ہے مگر اُس کا طریقہ جائز ہونا چاہیئے کہ والدین کو شریک کریں تاکہ کسی قسم کی پیچیدگی پیدا ہونے سے پہلے معاملہ بہتر ہو۔ اکثر اوقات لڑکے لڑکی کا شادی سے پہلے بہت آگے تک چلے جانا ہی دونوں طرف کے والدین کے لئے عزت اور غیرت کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ اس لئے اگر اِعتدال کی راہ اپنائی جائے اور شروع میں ہی والدین کو اِعتماد میں لے لیا جائے تو نصف سے زیادہ معاملات میں تو کورٹ میرج جیسی اَخلاقی بے ضابطگی کی نوبت ہی نہ آئے۔

کورٹ میرج کے دوران گواہوں کی موجودگی میں اِیجاب و قبول سے شرعی طور نکاح تو ہو جاتا ہے، مگر وہ سنت، شرافت اور اَخلاق و آداب کے خلاف ہے، لہٰذا اس سے اِحتراز کرنا چاہیئے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: انٹرویو شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر:1001)

22- ٹیلیفون / اِنٹرنیٹ پر نکاح (Online Marriage)

ٹیلیفون یا اِنٹرنیٹ وغیرہ پر رابطہ کے ذریعے نکاح کرنا اگرچہ از رُوئے شرع ممنوع نہیں، تاہم یہ ایک غیرمحتاط عمل ہے۔ بہتر یہی ہے کہ عاقدین نکاح کے وقت ایک ہی مجلس میں موجود ہوں۔

اس کے جواز کی ایک محتاط صورت یہ ہے کہ بالفرض دولہا پاکستان میں ہو اور دُلہن یورپ میں، تو نکاح کی مجلس دولہے کے گھر میں یوں منعقد کی جائے کہ وہاں نکاح خواں کے علاوہ دُلہن کا ولی یا وکیل بھی موجود ہو، جو دُلہن کی نمائندگی کرتے ہوئے نکاح نامے پر دستخط کرے، جبکہ نکاح کی کارروائی میں دُلہن اور اُس کے گھر والے بذریعہ ٹیلیفون یا اِنٹرنیٹ شریک ہوں تو یہ گویا ایک ہی مجلس ہو جائے گی اور اِس میں کسی قسم کی غلط فہمی یا دھوکہ کا اِمکان بھی باقی نہ رہے گا۔ اِس صورت میں ٹیلیفون یا اِنٹرنیٹ پر نکاح کرنا جائز ہوگا۔

23- پگڑی پر نکاح

ہمارے ہاں ایک نامعقول رواج یہ ہے کہ لڑکا بیرون ملک ہوتا ہے اور لڑکی پاکستان میں، تو لڑکے کی پگڑی سامنے رکھ کر اُس سے نکاح کر دیا جاتا ہے، یہ قطعی لغو عمل ہے، جس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ کسی بھی وجہ سے دُلہا اور دُلہن کے ایک مجلس میں اکٹھے نہ ہو سکنے کی صورت میں نکاح کا معقول طریقہ یہی ہے جو اُوپر بیان کیا گیا ہے۔

24- شادی دفتر / لڑکی کے رشتہ کا اشتہار

سماجی اور معاشرتی برائیوں کے نتائج میں سے ایک شادی دفاتر کا قیام بھی ہے۔ ہمارے یہاں بے جا رسومات کی بھرمار نے غریب آدمی کے لئے اپنی بیٹی کو بیاہنا بہت مشکل کر دیا ہے۔ اب کوئی شخص کسی غریب کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کی شادیوں کے تصور نے غریبوں پر بے حد ظلم کیا ہے۔ ایسے حالات میں بہت سے لوگ اپنی بچیوں کو لے کر گھروں میں بیٹھے ہیں، ان کے گھر کوئی رشتہ دار بھی رشتہ لے کر نہیں آتا

اور یوں بچیاں بن بیاہے بوڑھی ہوتی چلی جاتی ہیں۔ جس شخص کے پاس ہزاروں لاکھوں کا جہیز نہیں ہے، اس کی بیٹیوں کا تو کوئی رشتہ نہیں مانگتا۔ آج کے دور میں امیر تو امیر، کسی غریب شخص کا بیٹا بھی اگر تھوڑا پڑھ لکھ جائے تو وہ بھی اپنا بیٹا غریب کے ہاں نہیں بیاہنا چاہتا۔ جب معاشرہ اس قدر بانجھ ہو جائے تو اس کے نتیجہ میں اخبارات میں بچیوں کی شادی کے اشتہار چھپوانا اور شادی دفتر کے چکر لگانا ہی حاصل ہوگا۔ اگرچہ یہ چیز عورت کی عصمت، تقدس اور عظمت کے منافی ہے لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں رہا۔ لہٰذا جب تک معاشرے سے اِن اخلاق سوز رسومات کا خاتمہ نہیں ہو جاتا بچیوں کی شادی کے لئے اخبار میں اشتہار دینا یا میرج بیورو میں نام لکھوانا جائز ہے۔

25- شادی بیاہ کے اَخراجات کا تعین

ہمارے معاشرے میں امیر اور غریب کے درمیان خطرناک حد تک پہنچے ہوئے تفاوُت نے غریب کی زندگی کو اجیرن بنا کر رکھ دیا ہے۔ شادی بیاہ کے مواقع پر ہونے والی بے جا رسومات اور اُن پر اُٹھنے والے اَخراجات نے غریب عوام کی کمر توڑ کے رکھ دی ہے۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ نہ صرف قانوناً شادی کے اَخراجات کا تعین کرے بلکہ اس قانون پر عمل درآمد کو بھی یقینی بنائے۔ حدیں تو قانوناً حکومت نے پہلے بھی مقرر کی ہیں کہ شادی پر خرچ اس حد سے زیادہ نہیں ہوسکتا، لیکن اگر قانون پر عمل نہ ہو تو قانون سازی تماشہ بن کر رہ جاتی ہے۔ حکومت کے اپنے کارندے اور بااثر افراد اور ریاست کے بڑے بڑے امراء اور مؤثر لوگ، جن سے متاثر ہو کر سارا معاشرہ اپنا رُخ متعین کرتا ہے، وہ شادی بیاہ کے اَخراجات میں اِس حد تک اِسراف کرتے ہیں کہ اُن کے ایک ولیمے کا خرچہ کئی ہزار خاندانوں کے کھانے سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔ اس کے خلاف کوئی ایسا تعزیری قانون ہونا چاہیئے کہ جو اُس قانون کی خلاف ورزی کرے اُسے سخت سے سخت سزا دی جائے، تاکہ غریب بھی اپنی بچیوں کی شادی کر سکے۔ بلکہ منگنی اور مہندی کی رسموں پر اہلِ ثروت جو لاکھوں روپے خرچ کرنے لگے ہیں، میرے خیال میں اس کا بھی کوئی جواز نہیں۔

26- جہیز

جہیز کی رسم جس حد کو پہنچ چکی ہے وہ میرے نزدیک معاشرے کی لعنتوں میں سے ایک بہت بڑی لعنت ہے اور بہت سے گھرانے صرف اپنی بیٹیوں کو اپنی وقعت سے زیادہ جہیز دینے کی وجہ سے قرضوں کے بوجھ تلے دب جاتے ہیں اور سود کی لعنت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ہزاروں گھرانوں کی بیٹیاں شادی کی عمر کو پہنچنے کے بعد بھی بغیر شادی

کے اپنے والدین کے گھروں میں محض اس لئے بیٹھی رہتی ہیں کہ اُن کے والدین کے پاس جہیز دینے کے لئے سرمایہ نہیں ہوتا۔ بیشتر گھرانے غریب گھر کی بیٹی کا رشتہ محض اِس وجہ سے لینے کو تیار نہیں ہوتے کہ وہ اُن کے حسبِ منشا جہیز نہیں دے سکتے۔ چنانچہ جہیز کی یہ نہج اِنتہائی ظالمانہ معاشرتی برائی کی شکل اِختیار کر چکی ہے۔

چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بہت قلیل سا جہیز عطا فرمایا تھا، لہٰذا جہیز کو کلیتًا حرام نہیں قرار دیا جا سکتا۔ البتہ شادی بیاہ کے اَخراجات کی طرح اس مسئلہ کے خاتمے کے لئے بھی ٹھوس اِقدامات کی ضرورت ہے۔ حکومت کو جہیز کی بھی ایک حد مقرر کر دینی چاہیئے اور اس قانون پر عمل کو یقینی بنانا چاہیئے۔ اس سے اس برائی کے خاتمے میں مدد ملے گی اور اَز رُوئے شرع وہ حد بھی مقرر کر سکتی ہے۔

27- طلاق

طلاق دینے کے طریقوں کے اِعتبار سے طلاق کی تین قسمیں ہیں: طلاقِ اَحسن، طلاقِ حسن اور طلاقِ بدعت، طلاقِ حسن کو طلاقِ سنت بھی کہتے ہیں۔

۱۔ طلاقِ اَحسن: حالتِ طہر میں (یعنی جب بیوی ماہواری سے پاک ہو تو) اُس سے جنسی تعلق قائم کئے بغیر ایک ''رجعی طلاق'' دے اور پھر اُس سے رجوع نہ کرے، یہاں تک کہ اُس کی عدّت گزر جائے۔ اس صورت میں دو فائدے ہیں، ایک یہ کہ دورانِ عدّت اِرادہ بدلنے کی صورت میں رُجوع کی گنجائش برقرار رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ بعد میں زندگی میں کبھی دوبارہ نکاح کا اِرادہ ہو تو اُس کا اِمکان بھی برقرار رہتا ہے۔ اِس میں آپشنز کھلی رہتی ہیں، اس لئے فقہاء کرام نے اسے سب سے بہتر طریقہ قرار دیا ہے۔

۲۔ طلاقِ حسن: دُوسرا طریقہ یہ کہ تین الگ الگ طہروں میں ایک ایک کر کے تین طلاقیں دے اور اِس دوران میں بیوی سے جنسی تعلق قائم نہ کرے۔ طلاق کی یہ صورت طلاقِ سنت کہلاتی ہے۔ یہ صورت زیادہ بہتر نہیں اور اس صورت میں واپسی کا صرف ایک اِمکان باقی رہتا ہے کہ مطلقہ عورت کسی اور مرد سے شادی کر لے اور کچھ عرصہ اُس کے ساتھ رہنے کے بعد اگر اِتفاقاً وہ بھی اُسے طلاق دے دے تو اَب پہلا مرد اُس کے ساتھ از سرِ نو نکاح کر سکتا ہے۔

۳۔ طلاقِ بدعت: مذکورہ بالا دونوں صورتوں کے علاوہ کسی بھی اور طریقہ سے دی گئی طلاق کو طلاقِ بدعت کہا جاتا ہے۔ اِس کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً یہ کہ بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے یا ایسے طہر میں طلاق دے جس میں

صحبت کر چکا ہو، یا ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دے ڈالے۔ اِس طریقے سے طلاق دینے والا گنہگار ہوتا ہے، مگر طلاق واقع ہوجاتی ہے اور جتنی طلاقیں دی جائیں اُتنی ہی واقع ہو جاتی ہیں۔

عموماً لوگ ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیتے ہیں اور اُس کے بعد پریشانی کے عالم میں مسئلہ پوچھتے پھرتے ہیں۔ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا قطعی طور پر خلافِ سنت عمل ہے، اور ایسا شخص گناہ گار ہوتا ہے۔ لوگ ایسا بالعموم شرعی معاملات سے ناواقفیت کی بناء پر کرتے ہیں۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ نکاح بالکل ایسے ہی ایک معاہدہ ہے جیسے ہم کاروباری معاہدات کرتے ہیں۔ عموماً لوگ جب کوئی کاروباری معاہدہ ختم کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اُس کے فوائد ونقصانات جاننے کے لئے اپنے وکیل سے مشورہ کرتے ہیں اور وہ اُنہیں بتاتا ہے کہ معاہدہ ختم کرنے سے اُنہیں کیا کیا نقصانات اُٹھانا پڑ سکتے ہیں یا کون کون سی ذمہ داریوں سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ لیکن دُوسری طرف جب زندگی کے سب سے اہم معاہدہ 'نکاح' کا معاملہ آتا ہے تو بلا سوچے سمجھے اور بغیر کسی سے مشورہ کئے تینوں طلاقیں دے دیتے ہیں۔ یہ طریقہ خلافِ سنت ہی نہیں خلافِ عقل و دانش بھی ہے۔

<u>طلاق بالجبر کا حل</u>: اگر کسی کو گن پوائنٹ پر طلاق دینے کو کہا جائے اور وہ اپنی جان کے خوف سے اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو وہ بھی اُسی طرح مؤثر ہوگی، کیونکہ اُس نے اپنی جان بچانے کے لئے اپنے نکاح کو قربان کرنا بہتر سمجھا۔ اِس کا آسان حل یہ ہے کہ اگر کسی کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آئے تو وہ اپنے منہ سے طلاق کا لفظ نکالنے سے پہلے طلاق کی نیت سے ایسے الفاظِ کنایہ کہہ دے، جن میں صریح لفظِ طلاق اِستعمال نہ ہو۔ مثلاً: ''میری بیوی آزاد ہے'' اور اُس جملے کے بعد زبردستی کرنے والے کی تسلی کے لئے طلاق کا لفظ بھی بول دے۔ اس صورت میں پہلے بولے گئے جملے سے میاں بیوی کے مابین طلاقِ بائنہ ہو جائے گی اور بعد میں بولا گیا لفظِ طلاق مؤثر نہیں ہوگا۔ یوں اُن کے درمیان طلاقِ مغلظہ نہ ہونے کی بناء پر وہ دونوں جب چاہئیں (بغیر عدّت و حلالہ کے) دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 393)

28- تعدّد اِزدِواج (Polygamy)

اِسلام سے پہلے معاشروں میں ایک سے زیادہ شادیوں کا رواج عام تھا۔ اُس زمانے جنگیں بہت زیادہ ہوتی تھیں جن میں عموماً مرد ہی مارے جاتے تھے، جس کی وجہ سے معاشرے میں خواتین کی تعداد مردوں کے مقابلے میں کئی گنا بڑھ

جاتی تھی۔ اس مسئلہ کے حل کے لئے لوگوں نے ایک سے زیادہ عورتوں سے شادیاں کرنا شروع کر دیں۔ اس کے علاوہ بیشتر رؤسا بھی ایک سے زیادہ شادیاں کرتے تھے۔ اسلام نے اس معاشرتی ضرورت کے پیشِ نظر تعدّدِ اِزدواج کو کلیتاً حرام تو قرار نہیں دیا مگر اس کی حوصلہ شکنی کی اور ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کے لئے کئی شرائط لگائیں تاکہ مرد اپنی بیویوں کے درمیان اِعتدال قائم کر سکے۔

آج کل اگرچہ زمانہ قدیم جیسی جنگیں نہیں ہوتیں، مگر پھر بھی پاکستان میں خواتین کی آبادی مردوں کی نسبت چار فیصد زیادہ ہے۔ اب اگر ایک سے زیادہ شادی کرنا بالکل ممنوع قرار دے دیا جائے تو اُس چار فیصد آبادی کا کیا بنے گا۔ لامحالہ دوسری شادی کو کسی حد تک روا رکھنا ہوگا۔ تاہم آج کے دور میں بھی اگر کوئی ایک سے زیادہ شادیاں کرنا چاہتا ہے تو اُسے اِزدواجی زندگی کے ہر معاملے میں بیویوں کے ساتھ عدل و انصاف کی کڑی شرائط پر پورا اُترنا ہوگا۔

29- اِسلام اور سائنس

اللہ ربّ العزت کی اِس وسیع و عریض کائنات میں اُس کی قدرت کی نشانیاں ہر طرف بکھری پڑی ہیں۔ آخری وحی 'قرآنِ مجید' جہاں بنی نوعِ اِنسان کے لئے حتمی اور قطعی ضابطۂ حیات ہے، وہاں اِس کائناتِ ہست و بُود میں جاری و ساری قوانینِ فطرت بھی اِنسان کو اُلوہی ضابطۂ حیات کی طرف متوجہ کرتے نظر آتے ہیں۔ 'قرآنِ مجید' خارجی کائنات کے ساتھ ساتھ نفسِ اِنسانی کے درُوں خانہ کی طرف بھی ہماری توجہ دِلاتا ہے اور اُن دونوں عوالم میں قوانینِ قدرتِ اِلٰہیہ کی یکسانی میں غور و فکر کے بعد اپنے خالق کے حضور سربسجدہ ہونے کا حکم دیتا ہے۔ قرآنی علوم کے نور سے صحیح معنوں میں فیض یاب ہونے کیلئے ہمیں قرآنی آیات میں جا بجا بکھرے ہوئے سائنسی حقائق پر غور و فکر کرنا ہوگا۔

اِسلام نے اپنی پہلی وحی کے دِن سے ہی بنی نوعِ اِنسان کو آفاق و اَنفس کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہونے کا حکم دیا۔ یہ اِسلام ہی کی تعلیمات کا فیض تھا کہ دُنیا کی اُجڈ ترین قوم 'عرب' اَحکامِ اِسلام کی تعمیل کے بعد محض ایک ہی صدی کے اندر دُنیا بھر کی اِمامت و پیشوائی کی حق دار ٹھہری اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے دُنیا کو یونانی فلسفے کی لاحاصل مُوشگافیوں سے آزاد کراتے ہوئے فطری علوم کو تجربے (experiment) کی بنیاد عطا کی۔ قرآنِ مجید کی تعلیمات کے زیرِ اثر یہ اُنہی کے اِختیار کردہ 'سائنسی طریقِ تحقیق' (scientific method) کی بنیاد تھی، جس کی بدولت ہزارہا سال سے جاری سلسلۂ علمِ انسانی نے عظیم کروَٹ لی اور موجودہ صدی نے اُس کا پھل پایا۔

صدی جب کروَٹ بدلتی ہے تو ایک 'ممکن' کو 'حقیقت' کا رُوپ مل چکا ہوتا ہے۔ پچھلی نسل جس ترقی کی خواہش کرتی تھی موجودہ نسل اُسے کئی منزلیں پیچھے چھوڑ چکی ہے۔ سائنسی تحقیقات کی موجودہ تیزی نے زمین و آسماں کی پہنائیوں میں پوشیدہ لاتعداد حقائق بنی نوعِ اِنسان کے سامنے لا کھڑے کئے ہیں۔ آج سے کم و بیش ڈیڑھ ہزار سال پہلے بنی نوعِ اِنسان کے ذِہن میں علم کے موجودہ عروج کا اُدنیٰ سا تصوّر بھی موجود نہ تھا۔ اِنسان یوں جہلِ مرکب میں غرق تھا کہ اپنی جہالت کو عظمت کی علامت گردانتے ہوئے اُس پر نازاں ہوتا تھا۔ اِسلام کی آفاقی تعلیمات نے اُس دَورِ جاہلیت کا پردہ چاک کرتے ہوئے ہزارہا ایسے فطری ضوابط کو بے نقاب کیا جن کی صداقت پر دَورِ حاضر کا سائنسی ذِہن بھی محوِ حیرت ہے۔

قرونِ وُسطیٰ میں مسلمان سائنسدانوں نے جن سائنسی علوم کی فصل بوئی تھی آج وہ پک کر جوان ہوچکی ہے اور موجودہ دَور اُسی فصل کو کاشت کرتے ہوئے اُس کے گوناگوں فوائد سے مُستنیر ہو رہا ہے۔ مسلمان جب تک علمی روِش پر قائم رہے سارے جہان کے اِمام و مقتدا رہے اور جونہی علم سے غفلت برتی 'ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا'۔ اور آج حالت یہ ہے کہ ہمارے اُسلاف کا علمی وِرثہ اپنے اندر ہونے والے بے شمار اِضافہ جات کے ساتھ اَغیار کا اوڑھنا بچھونا ہے اور ہم اُن کے پیچھے علمی و ثقافتی اور سیاسی و معاشی میدانوں میں دَر دَر کی بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔

2 جنوری 1492ء کا تاریخی دِن مغربی دُنیا کیلئے علم و فن، تہذیب و تمدن اور سائنس و ٹیکنالوجی کا تحفہ لئے طلوع ہوا۔ غرناطہ (اسپین) میں ہونے والی سیاسی شکست کے بعد مسلم قوم ذِہنی شکست خوردگی کی دلدل میں اُلجھ کر سوگئی اور عالمِ مغرب مسلمانوں کی تحقیقات و اِکتشافات پر سے اُن کے موجدوں کا نام کھرچ کر اُنہیں اپنے نام سے منسوب کرنے لگا۔ اِسلامی سپین کی یونیورسٹیوں میں زیرِتعلیم عیسائی و یہودی طلباء مسلمانوں کا علمی وطیرہ اپنے ساتھ اپنے ممالک کو لے گئے اور ہم غرناطہ میں سیاسی شکست کھانے کے بعد اُسے مقدر کا لکھا کہتے ہوئے رو پیٹ کر بیٹھ رہے اور سیاسی میدان میں ہونے والی شکست کے بعد علمی میدان سے بھی فرار کا راستہ اِختیار کر لیا۔ اَغیار نے ہمارے علمی وِرثے سے بھرپور فائدہ اُٹھایا اور سائنسی ترقی کی اوجِ ثریا تک جا پہنچے۔ غفلت کی نیند بے سُدھ پڑی مسلمان قوم کو فقط ایک ٹھوکے کی ضرورت ہے، فقط اپنی میراث سے شناسائی ضروری ہے، جس روز اِس قوم نے اَغیار کے قبضے میں گھری اپنی قیمتی متاع کو پہچان لیا یقیناً اپنے کھوئے ہوئے وِرثے کے حصول کے لئے تڑپ اُٹھے گی، وہ دِن تاریخِ عالم کا

سنہری دِن ہوگا۔

بیسوِیں صدی عالمِ اِسلام کے لئے اللہ ربّ العزت کی بے شمار نعمتیں لئے آئی۔ اِس صدی میں جہاں کرۂ اَرضی کے بیشتر مسلمان سیاسی آزادی کی نعمت سے بہرہ مند ہوئے وہاں علمی میدان میں بھی مثبت تبدیلی کے آثار نمودار ہوئے، لیکن مسلمان حکمرانوں نے نہ صرف آزادی کے اُثرات کو اپنے عوام کی پہنچ سے دُور رکھا بلکہ صحیح فطری خطوط پر اُن کی تعلیم و تربیت کا خاطر خواہ اِنتظام بھی نہ کیا، جس کی وجہ سے قحط الرجال کا مسئلہ جوں کا توں باقی رہا۔ اِس وقت دُنیا کی اکانومی کا بڑا اِنحصار تیل پیدا کرنے والے مسلمان ممالک پر ہے۔عرب کی دولت مسلمانوں کی معاشی اَبتری سے نجات اور عالمی سطح پر سیاسی تفوق کی بحالی کے لئے بہترین مددگار ثابت ہوسکتی تھی مگر افسوس کہ وہ بھی شاہی اللّوں تللّوں میں ضائع ہوگئی اور مِن حیث المجموع اُمتِ مسلمہ اُس سے کوئی خاص فائدہ نہ اُٹھا سکی۔

عالمِ اِسلام کے موجودہ زوال و اِنحطاط کا بنیادی سبب جہالت، علمی روِش سے کنارہ کشی اور صدیوں کی غلامی کے بعد ملنے والی آزادی کے باوجود جاہل حکمرانوں کا اپنی قوم کو حقیقی علومِ اِنسانی کے حصول میں پس ماندہ رکھنا ہے۔ نئی نسل کی ذہانت صدیوں سے مسلّط عالمی محکومی کے زیرِ اثر دب کر رہ گئی ہے۔ دورِ حاضر کے مسلم نوجوان کے تشکیک زدہ اِیمان کو سنبھالا دینے کی واحد صورت یہ ہے کہ اُسے اِسلامی تعلیمات کی عقلی و سائنسی تفسیر و تفہیم سے آگاہ کرتے ہوئے سائنسی دلائل کے ساتھ مستحکم کیا جائے۔ قومی سطح پر چھائے ہوئے اِحساسِ کمتری کے خاتمے کے لئے ضرورت اِس امر کی ہے کہ نئی نسل کو مسلمان سائنسدانوں کے کارناموں سے شناسا کیا جائے تاکہ اُس کی سوچ کو مثبت راستہ ملے اور وہ جدید سائنسی علوم کو اپنی متاع سمجھتے ہوئے اپنے اَسلاف کی پیروِی میں علمی و سائنسی روِش اپنا کر پختہ علمی بنیادوں کے ساتھ اِحیائے اِسلام کا فریضہ سرانجام دے سکے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ سائنسی علوم جانتا ہے وہ اُتنا ہی زیادہ اِسلامی تعلیمات سے اِستفادہ کرسکتا ہے۔ اِس سلسلے میں مستشرقین کی طرف سے اِسلام پر ہونے والے اِعتراضات کے ٹھوس عقلی و سائنسی بنیادوں پر جواب کے لئے 'جدید علمِ کلام' کو باقاعدہ فروغ دینے کی بھی ضرورت ہے۔ اِس سے نہ صرف مغربی اَفکار کی یلغار کی وجہ سے مسلم نوجوانوں میں اپنے عقائد و نظریات کے بارے میں جنم لینے والی تشکیک سے نجات ملے گی بلکہ غیرمسلم اقوام پر بھی اِسلام کی حقانیت عیاں ہوگی۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ''اِسلام اور جدید سائنس'')

30- اِسلام اور سائنس کا باہمی تعلق

آج کا دَور سائنسی علوم کی معراج کا دَور ہے، اِس لئے دَورِحاضر میں دِین کی صحیح اور نتیجہ خیز اِشاعت کا کام جدید سائنسی بنیادوں پر ہی بہتر طور پر سراَنجام دِیا جاسکتا ہے۔ بناء بریں اِس دَور میں اِس اَمر کی ضرورت گزشتہ صدیوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے کہ مُسلم معاشروں میں جدید سائنسی علوم کی تروِیج کوفروغ دیا جائے اور دِینی تعلیم کو سائنسی تعلیم سے مربوط کرتے ہوئے حقانیتِ اِسلام کا بول بالا کیا جائے۔ چنانچہ آج کے مسلمان طالبِ علم کے لئے مذہب اور سائنس کے باہمی تعلق کوقرآن وسنت کی روشنی میں سمجھنا نہایت ضروری ہے۔

مذہب 'خالق' (Creator) سے بحث کرتا ہے اور سائنس اللہ تعالی کی پیدا کردہ 'خَلق' (creation) سے۔ دُوسرے لفظوں میں سائنس کا موضوع 'خَلق' اور مذہب کا موضوع 'خالق' ہے۔ اگرمخلوق پر سوچ بچار مثبت انداز میں کی جائے تو اُس سے لامحالہ اِنسان کو خالق کی معرفت نصیب ہوگی اور وہ بے اِختیار پکار اُٹھے گا:

رَبَّنَا مَا خَلَقُتَ هٰذَا بَاطِلاً.

(آل عمران،۳:۱۹۱)

''اے ہمارے رب! تو نے یہ (سب کچھ) بےحکمت اور بے تدبیر نہیں بنایا۔''

بندۂ مومن کو سائنسی علوم کی ترغیب کے ضمن میں اللہ ربّ العزت نے کلامِ مجید میں ایک اور مقام پر یوں اِرشادفرمایا:

سَنُرِيُهِمُ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيُ أَنُفُسِهِمُ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمُ أَنَّهُ الُحَقُّ.

(حم السجده، ۴۱:۵۳)

''ہم عنقریب اُنہیں کائنات میں اور اُن کے اپنے (وجود کے) اندر اپنی نشانیاں دِکھائیں گے، یہاں تک کہ وہ جان لیں گے کہ وہی حق ہے۔''

اِس آیتِ کریمہ میں باری تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اِنسان کو اُس کے وجود کی اندرونی نشانیاں (internal signs) بھی دِکھا دیں گے اور کائنات میں جابجا بکھری خارجی نشانیاں (external signs) بھی دِکھا دیں گے،

جنہیں دیکھ لینے کے بعد بندہ خود بخود بے تاب ہوکر پکار اُٹھے گا کہ حق صرف اللہ ہی ہے۔

قرآنِ مجید میں کم و بیش ہر جگہ مذہب اور سائنس کا اِکٹھا ذِکر ہے، مگر یہ ہمارے دَور کا اَلمیہ ہے کہ مذہب اور سائنس دونوں کی سیادت و سربراہی ایک دُوسرے سے نا آشنا اَفراد کے ہاتھوں میں ہے۔ چنانچہ دونوں گروہ اپنے مدِّ مقابل دُوسرے علم سے دُوری کے باعث اُسے اپنا مخالف اور متضاد تصور کرنے لگے ہیں۔ جس سے لوگ کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے مذہب اور سائنس میں تضاد سمجھنے لگ جاتے ہیں، جبکہ حقیقت اِس کے بالکل برعکس ہے۔

سائنس اور اِسلام میں تضاد کیونکر ممکن ہے جبکہ اِسلام خود سائنس کی ترغیب دے رہا ہے! اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اِسلام اور سائنس میں تضاد ہے تو یا تو وہ اِسلام کی صحیح سمجھ سے عاری ہوگا بصورتِ دیگر اُس نے سائنس کو صحیح طور پر نہیں سمجھا ہوگا۔ سائنس کا دائرۂ کار مُشاہداتی اور تجرباتی علوم پر منحصر ہے جبکہ مذہب اَخلاقی و رُوحانی اور ما بعد الطبیعیاتی اُمور سے متعلق ہے۔

مذہب اور سائنس میں عدمِ تضاد کی بڑی اہم وجہ یہ ہے کہ دونوں کی بنیادیں ہی جدا جدا ہیں۔ دَرحقیقت سائنس کا موضوع 'علم' ہے جبکہ مذہب کا موضوع 'اِیمان' ہے۔ علم ایک ظنّی شے ہے، اِسی بناء پر اُس میں غلطی کا اِمکان پایا جاتا ہے، بلکہ سائنس کی تمام پیش رفت ہی اِقدام و خطاء (trial & error) کی طویل جدوجہد سے عبارت ہے۔ جبکہ دُوسری طرف اِیمان کی بنیاد ظن کی بجائے یقین پر ہے، اِس لئے اُس میں خطا کا کوئی اِمکان موجود نہیں۔

اِیمان کے ضمن میں سورۂ بقرہ میں اِرشادِ ربانی ہے:

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ.

(البقرہ، ۲:۳)

''جو غیب پر اِیمان لاتے ہیں۔''

گویا اِیمان جو کہ مذہب کی بنیاد ہے، مُشاہدے اور تجربے کی بناء پر نہیں بلکہ وہ بغیر مُشاہدہ کے نصیب ہوتا ہے۔ اِیمان ہے ہی اُن حقائق کو قبول کرنے کا نام جو مُشاہدے میں نہیں آتے اور پردۂ غیب میں رہتے ہیں۔ وہ ہمیں اپنے خودساختہ ذرائعِ علم سے معلوم نہیں ہوسکتے بلکہ اُنہیں مشاہدے اور تجربے کے بغیر محض اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے بتانے سے مانا جاتا ہے۔ اِس کے مقابلے میں جو چیزیں ہمیں نظر آ رہی ہیں، جن کے بارے میں حقائق اور

مُشاہدات آئے دِن ہمارے تجربے میں آتے رہتے ہیں، اُن حقائق کا علم سائنس کہلاتا ہے۔ چنانچہ سائنس اِنسانی اِستعداد سے تشکیل پانے والا علم human acquired wisdom ہے، جبکہ مذہب خدا کی طرف سے عطا کردہ علم God-gifted wisdom ہے۔ اِسی لئے سائنس کا سارا علم اِمکانات پر مبنی ہے، جبکہ مذہب میں کوئی اِمکانات نہیں بلکہ وہ سراسر قطعیات پر مبنی ہے۔ چنانچہ مذہب اور سائنس میں ٹکراؤ کا اِمکان ہی خارِج اَز بحث ہے۔

مذہب اور سائنس میں کسی قسم کے تضاد کے نہ پائے جانے کا دُوسرا بڑا سبب دونوں کے دائرۂ کار کا مختلف ہونا ہے، جس کے باعث دونوں میں تصادُم اور ٹکراؤ کا کوئی اِمکان کبھی پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ اِس کی مثال یوں ہے جیسے سڑک اور سمندر میں چلنے والی سواریاں (کار اور کشتی) کبھی آپس میں ٹکرا نہیں سکتیں، اِسی طرح مذہب اور سائنس میں بھی کسی قسم کا ٹکراؤ ممکن نہیں، کیونکہ سائنس کا تعلق طبیعیاتی کائنات (physical world) سے ہے جبکہ مذہب کا تعلق مابعد الطبیعیات (meta physical world) سے ہے۔ اِس بات کو دُوسرے لفظوں میں یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ سائنس فطرت (nature) سے بحث کرتی ہے جبکہ مذہب کی بحث مافوق الفطرت (supernature) دُنیا سے ہے، لہٰذا اِن دونوں میں سکوپ کے اِختلاف کی بناء پر اِن میں کسی صورت بھی تضاد ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اِس کائنات میں کئی نظام بنائے ہیں، جو اپنے اپنے طور پر اپنی خصوصیات کے ساتھ رَواں دَواں ہیں۔ مثلاً اِنسانی کائنات، حیوانی کائنات، جماداتی کائنات، نباتاتی کائنات، ماحولیاتی کائنات، فضائی کائنات اور آسمانی کائنات وغیرہ۔ اِن تمام نظاموں کے بارے میں ممکن الحصول حقائق جمع کرنا سائنس کا مطمحِ نظر ہے۔ دُوسری طرف مذہب یہ بتاتا ہے کہ یہ ساری اشیاء اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ چنانچہ سائنس کی یہ ذِمہ داری ہے کہ اللہ ربّ العزت کے پیدا کردہ عوالم اور اُن کے اندر جاری و ساری عوامل (functions) کا بنظرِ غائر مطالعہ کرے اور کائنات میں پوشیدہ مختلف سائنسی حقائق کو بنی نوع اِنسان کی فلاح کے لئے سامنے لائے۔

کائنات میں غور و فکر کے دَوران ایک سائنسدان کو بارہا اِقدام و خطاء (trial & error) کی حالت سے گزرنا پڑتا ہے۔ بار ہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک دفعہ کی تحقیق سے کسی چیز کو سائنسی اِصطلاح میں 'حقیقت' کا نام دے دِیا جاتا ہے مگر مزید تحقیق سے پہلی تحقیق میں واقع خطا ظاہر ہونے پر اُسے ردّ کرتے ہوئے نئی تحقیق کو ایک وقت تک کیلئے حتمی قرار دے دیا جاتا ہے۔ سائنسی طریقِ کار میں اگرچہ ایک 'مفروضے' کو مسلّمہ 'نظریئے' تک کا درجہ دے دیا جاتا ہے، تاہم سائنسی طریقِ تحقیق میں کسی نظریئے کو بھی ہمیشہ کیلئے حقیقت کی حتمی شکل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ سائنس کی دُنیا میں

کوئی نظریہ جامد (unchangeable) اور مطلق (absolute) نہیں ہوتا، ممکنہ تبدیلیوں کا اِمکان بہرحال موجود رہتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نئے تجربات کی روشنی میں صدیوں سے مسلّمہ کسی نظریئے کو مکمل طور پر مسترد کر دیا جائے۔ دوسری طرف مذہب اِقدام و خطاء سے مکمل طور پر آزاد ہے کیونکہ اُس کا تعلق اللہ ربّ العزت کے عطا کردہ علم سے ہوتا ہے، جو حتمی، قطعی اور غیر متبدل ہے اور اُس میں خطاء کا کلیتًا کوئی اِمکان نہیں ہوتا۔

مذہب مابعد الطبیعیاتی (metaphysical) حقائق سے آگہی کے ساتھ ساتھ ہمیں اِس مادّی کائنات سے متعلق بھی بہت سی معلومات فراہم کرتا ہے، جن کی روشنی میں ہم سائنسی علوم کے تحت اِس کائنات کو اپنے لئے بہتر اِستعمال میں لا سکتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوَاتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ.

(الجاثیہ، ۱۳:۴۵)

''اور اُس (اللہ) نے سماوِی کائنات اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔''

جہاں تک مذہب کا معاملہ تھا اُس نے تو ہمیں اِس حقیقت سے آگاہ کر دِیا کہ زمین و آسمان میں جتنی کائنات بکھری ہوئی ہے سب اِنسان کے لئے مسخر کر دی گئی ہے۔ اَب یہ اِنسان کا کام ہے کہ وہ سائنسی علوم کی بدولت کائنات کی ہر شے کو اِنسانی فلاح کے نکتۂ نظر سے اپنے لئے بہتر سے بہتر اِستعمال میں لائے۔ اِسی طرح ایک طرف ہمیں مذہب یہ بتاتا ہے کہ جملہ مخلوقات کی تخلیق پانی سے عمل میں آئی ہے تو سائنس اور ٹیکنالوجی کی ذِمہ داری یہ رہنمائی کرنا ہے کہ بنی نوع اِنسان کو پانی سے کس قدر فوائد بہم پہنچائے جاسکتے ہیں اور اُس کا طریقِ کار کیا ہو۔ چنانچہ اِس ساری بحث سے ہم اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سائنس اور مذہب کہیں بھی اور کسی درجے میں بھی ایک دُوسرے سے متصادِم نہیں ہیں۔

نظریۂ اِضافیت (Theory of Relativity) کے خالق شہرہ آفاق سائنسدان 'آئن سٹائن' کا کہنا ہے کہ:

"Science without religion is lame and religion without science is blind".

''مذہب کے بغیر سائنس لنگڑی ہے اور سائنس کے بغیر مذہب اندھا ہے''۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اِسلام اپنے ماننے والوں کو مذہب اور سائنس دونوں کا نور عطا کرتا ہے۔ اِس

لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اِسلام دُنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ دِین ہے، جو نہ صرف قدم قدم پر سائنسی علوم کے ساتھ چلتا نظر آتا ہے بلکہ تحقیق و جستجو کی راہوں میں سائنسی ذِہن کی ہر مشکل میں رہنمائی بھی کرتا ہے۔

واضح رہے کہ جوں جوں سائنس ترقی کر رہی ہے اِسلام کی حقانیت ثابت ہوتی جارہی ہے اور جدید سائنس کی ترقی سے مذہب کا نور نکھرتا جارہا ہے اور ایک وقت آئے گا کہ جب سائنس اپنی تحقیقات کے نکتۂ کمال کو پہنچے گی تو اللہ کے دین کا ہر اِیمانی تصور سائنس کے ذرِیعے صحیح ثابت ہوجائے گا۔ قرآنِ مجید اور سائنس کا تقابلی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سائنس کے بے شمار نظریات قرآنی تصورات کو صد فی صد صحیح ثابت کرتے ہیں اور وہ دِن دُور نہیں جب سائنس کلی طور پر دینی نظریات کی تائید و توثیق کرنے لگے گی۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ”اِسلام اور جدید سائنس“)

31- تبلیغ اِسلام میں جدید ٹیکنالوجی کا اِستعمال

آج کا دَور سائنسی علوم کی معراج کا دَور ہے۔ سائنس کو بجا طور پر عصری علم (contemporary knowledge) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا دَورِ حاضر میں دِین کی صحیح اور نتیجہ خیز اِشاعت کا کام جدید سائنسی بنیادوں پر ہی بہتر طور پر سراَنجام دِیا جاسکتا ہے۔ اس لئے آج کل اِس اَمر کی ضرورت گزشتہ صدیوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے کہ مُسلم معاشروں میں جدید سائنسی علوم کو فروغ دیا جائے اور دِینی تعلیم کو سائنسی تعلیم سے مربوط کرتے ہوئے حقانیتِ اِسلام کا بول بالا کیا جائے۔ چنانچہ اِسلام کی تبلیغ میں اکیسویں صدی کی اِیجادات اور سائنسی ذرائع کو بھرپور اِستعمال کرنے کی ضرورت ہے تاکہ دنیا اِسلام کے عطا کردہ پیغامِ فطرت سے آشنا ہو سکے، ورنہ ہم تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں اور نہ اِن ایجادات کو اپنی اگلی نسلوں کے دل و دماغ پر لادینیت مسلط کرنے سے روک سکتے ہیں۔

تحریکِ منہاج القرآن کے تحت اِسلامی تعلیمات کی اِشاعت کے لئے درجنوں ویب سائٹس چلائی جا رہی ہیں، جس سے دُنیا بھر کے مسلمان اور غیرمسلم اسکالرز اِستفادہ کرتے ہیں۔ تحریکِ منہاج القرآن کی ویب سائٹ www.minhaj.org کا آغاز 1994ء میں اُس وقت ہوا جب پاکستان کا عام پڑھا لکھا طبقہ بھی اِنٹرنیٹ سے شناسا نہیں تھا۔ سیکڑوں کتابیں اور ہزاروں خطابات ہماری ویب سائٹس سے مفت ڈاؤن لوڈ کئے جا سکتے ہیں۔ شیخ الاسلام کے خطابات کی آڈیو / ویڈیو ریکارڈنگ کا آغاز 1982ء میں اُس وقت ہوا جب پاکستان کے مذہبی طبقہ میں

بالعموم تصویر بنانے کو بھی ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ جب لاہور کے معروف اور منظّم ٹی وی سٹوڈیوز میں ابھی linear editing ہو رہی تھی، تب سے ہمارے یہاں non-linear editing کا آغاز ہو چکا تھا۔ اِس وقت تک ہمارے پانچ ہزار سے زائد خطابات آڈیو / وِیڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs کی شکل میں نہ صرف دُنیا بھر میں موجود تحریک کے سیل سنٹرز بلکہ انٹرنیٹ پر بھی بآسانی دستیاب ہیں۔ پچھلے 25 سال سے لاکھوں رفقاء کی ممبر شپ کا کمپیوٹرائزڈ ریکارڈ موجود ہے، جس کی مدد سے اُنہیں ہر ماہ مجلّہ منہاج القرآن کی ترسیل ممکن ہوتی ہے۔ فرید ملت ؒ ریسرچ اِنسٹیٹیوٹ میں درجنوں کمپیوٹرز زیر استعمال ہیں، جہاں تحقیق و تخریج کے مراحل کو تیزی سے نمٹایا جاتا ہے۔ تحریکِ منہاج القرآن کے تحت جاری دینی تعلیم کے شعبہ جات میں بھی جدید ٹیکنالوجی کا اِستعمال منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ اِنٹرنیٹ کی بدولت اساتذہ پاکستان میں ہوتے ہوئے بھی بیرونِ ملک مقیم بچوں اور بڑوں کی باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ 'اِی لرننگ ڈیپارٹمنٹ' کے تحت ناظرہ و تجوید کے بنیادی کورسز سے لے کر 'عرفان القرآن کورس' تک کے درجن بھر آن لائن کورسز کروائے جا رہے ہیں۔ تحقیقی مقاصد کے لئے بیرونِ ملک مقیم ہونے کے باوجود شیخ الاسلام وِیڈیو کانفرنس کے ذریعہ گوشہ درود کی ماہانہ مجلس سے باقاعدہ خطاب فرماتے ہیں اور منہاج یونیورسٹی کے طلباء و طالبات کے علاوہ لاہور بھر کے مدارس کے مدرسین اور سینئر طلبہ کے لئے ماہانہ سلسلہ دروسِ حدیث بھی جاری ہے۔ پاکستان میں موجود منہاجینز 'اسکالر آن لائن پروگرام' کے ذریعہ مغربی دُنیا میں بسنے والے مسلمانوں سے ہفتہ وار خطابات کا سلسلہ بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ الغرض مقدور بھر وسائل کی مدد سے جس سطح تک ممکن ہو سکا تحریک منہاج القرآن تبلیغ و اِشاعت اسلام کے لئے جدید ٹیکنالوجی کو بھرپور اِستعمال کر رہی ہے۔

32- اِسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں حلال و حرام کا تصور

جدید تعلیم یافتہ لوگ اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ اسلام نے بعض چیزوں کو حلال جبکہ بعض دوسری چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، اس کی کیا حکمت ہے۔ اللہ ربّ العزت نے بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام متعین کیا، جس کی بہت سی حکمتیں ہیں، جن تک انسانیت اللہ کی توفیق سے ہمیشہ پہنچتی رہے گی۔ سر دست ہم میڈیکل کے حوالے سے جائزہ لیتے ہیں۔ کوئی حلال ایسا نہیں جس کے حلال کرنے کی طبی حکمت نہ ہو اور کوئی حرام ایسا نہیں جس کی حرمت کے پس منظر میں کوئی طبی حکمت نہ ہو۔ حلال کے اندر بھی پھر ترجیحات مقرر کیں، کسی شے کی تعریف کی تاکہ اسے زیادہ استعمال کیا جائے تو کسی شے کو ناپسندیدہ کہا تاکہ لوگ اسے کم استعمال کریں۔ ان ترجیحات میں بھی جو بنیادی تصور کارفرما ہے

اُسے طبی تحقیقات رفتہ رفتہ منظر عام پر لا رہی ہیں۔

اسلام نے جن اشیاء کو حرام قرار دیا وہ کسی نہ کسی لاعلاج بیماری کا باعث بنتی ہیں اور جن اشیا کو اسلام نے حلال تو کہا مگر ناپسندیدہ قرار دیا وہ قابل علاج بیماریوں کا باعث بنتی ہیں۔ مثلاً خنزیر اور بغیر ذبح کئے مر جانے والے جانور لاعلاج بیماریوں کا باعث بنتے ہیں۔ اس لئے ان کا گوشت کلیتاً حرام قرار دیا گیا۔

جدید طبی تحقیق کے نتیجہ میں یہ بات منظرِ عام پر آئی ہے کہ سؤر کے گوشت میں taenia solium اور trichinella spiralis دو کیڑے پائے جاتے ہیں، جن میں سے پہلا مِرگی (epilepsy) جبکہ دوسرا ایک بیماری trichinosis کا باعث بنتا ہے، جس سے انسان کے خون کا بہاؤ زہریلے مواد سے متاثر ہوسکتا ہے، جس کے نتیجے میں اُسے دِل اور نظامِ تنفس کا فالج بھی ہوسکتا ہے۔ یہ دِماغ اور جسم کے دُوسرے اَجزاء کی سوزش بھی پیدا کرتا ہے اور زبان، گردن، آنکھوں اور گلے وغیرہ کے اَعصاب کو بھی متاثر کرتا ہے۔ خنزیر کے گوشت میں بہت زیادہ حرارے اور چکنائی ہوتی ہے اور کولیسٹرول کی سطح بہت بلند ہوتی ہے۔ 100 گرام بڑے گوشت میں زیادہ سے زیادہ 284 کیلوریز ہوتی ہیں جبکہ سؤر کے گوشت میں زیادہ سے زیادہ 496 کیلوریز ہوتی ہیں، اِسی طرح بڑے گوشت میں چکنائی کی مقدار زیادہ سے زیادہ 21.1 فیصد ہوتی ہے جبکہ سؤر کے گوشت میں یہ مقدار زیادہ سے زیادہ 44.8 فیصد ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اِسلام نے اُسے اِنسان کے لئے مضرِ صحت ہونے کے باعث حرام قرار دیا۔

دُوسری طرف گائے کے گوشت کو حلال کہہ کر بھی ناپسندیدہ قرار دیا گیا۔ گائے کے گوشت میں کولیسٹرول کی بہت بڑی مقدار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جدید سائنسی تحقیقات سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ گائے کے گوشت میں ایک جرثومہ taenia saginate پایا جاتا ہے جو پیٹ کی بہت سی بیماریوں کا سبب بنتا ہے، جو قابل علاج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اَحادیثِ مبارکہ میں اُس کی صرف حوصلہ شکنی کی گئی ہے، اُسے مطلقاً حرام نہیں قرار دیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

علیکم بألبانِ البقر فإنّها شفاءٌ، و سمنها دواءٌ و لحومها داءٌ.

(المعجم الاوسط للطبرانی، 9 : 181، رقم: 9480)

''گائے کا دودھ شفا ہے، اُس کے مکھن میں طبی فوائد ہیں، جبکہ اُس کے گوشت میں بیماری ہے۔''

گویا اللہ کے رسول ﷺ کی نظر اس پر بھی ہے کہ بیماری لاعلاج ہو تو اُس شے کو حرام کر دیتے ہیں اور جو بیماری قابل علاج ہو اُسے حلال کہہ کر بھی ناپسندیدہ قرار دے دیتے ہیں تاکہ لوگ اُس شے کا اِستعمال کم سے کم کریں اور معاشرے کی غذائی ضروریات بھی پوری ہوتی رہیں۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 843)

33- سات آسمانوں کا سائنسی تصور

قرآن مجید میں موجود سات آسمانوں کے ذکر بارے اکثر لوگ تشویش کا شکار رہتے ہیں، جبکہ درحقیقت سات آسمانوں کی موجودگی ایک سائنسی حقیقت ہے۔ سب سے پہلے یہ بات واضح رہے کہ اِسلامی نکتہ نظر سے آسمان ٹھوس مجسم وجود نہیں ہیں بلکہ دُخانی کیفیت رکھتے ہیں۔

قرآنِ مجید سات آسمانوں کی موجودگی اور اُن کے مابین ہم آہنگی کا تصوّر پیش کرتا ہے۔

وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ وَ مَا كُنَّا عَنِ الۡخَلۡقِ غَافِلِيۡنَ○

(المؤمنون، ۲۳:۱۷)

’’اور بیشک ہم نے تمہارے اُوپر (کرّۂ ارضی کے گرد فضائے بسیط میں نظامِ کائنات کی حفاظت کے لئے) سات راستے (یعنی سات مِقناطیسی پٹیاں یا میدان) بنائے ہیں اور ہم (کائنات کی) تخلیق (اور اُس کی حفاظت کے تقاضوں) سے بے خبر نہ تھے○‘‘

قرآنِ حکیم کی بہت سی آیات میں سات آسمانوں کا ذِکر موجود ہے۔ گزشتہ 200 سال سے کائنات سے متعلق ہونے والی انتھک تحقیقات کے باوُجود ہم ابھی اِس بارے میں سائنسی بنیادوں پر حتمی معلومات حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ صرف حالیہ چند عشروں (decades) میں فلکی طبیعیات کے سلسلے میں چند اِنتہائی دِلچسپ دریافتیں ہوئی ہیں اور اُن سے معجزۂ قرآن کی حقانیت ثابت ہوگئی ہے۔ سائنسی تحقیقات کے ذریعے اِنسان نے جو کچھ بھی دریافت کیا ہے، وہ سمندر میں سے فقط ایک قطرہ کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن پھر بھی اُس نے کم از کم اپنی پچھلی دو صدیوں کی خطاؤں کو تسلیم کرنا شروع کر دِیا ہے۔

ترکی کے نامور محقق ڈاکٹر ہلوک نور باقی کے مطابق کائنات متنوّع مقناطیسی تہوں کی عکاسی کرتی ہے اور جب ہم زمین سے آسمان کی طرف نظر کرتے ہیں تو سات ایسی مِقناطیسی پٹیوں میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں جو خلاء کی بیکرانی میں پسپائی اِختیار کر چکی ہوں۔ اگر ہم زمین سے کائنات کی وُسعتوں کی طرف نظر دَوڑائیں تو سات آسمان اِس ترتیب سے واقع ہیں:

1- پہلا آسمان: وہ خلائی میدان، جس کی بنیاد ہم اپنے نظامِ شمسی کے ساتھ مل کر رکھتے ہیں۔

2- دُوسرا آسمان: ہماری کہکشاں کا خلائی میدان ہے۔ یہ وہ مِقناطیسی میدان ہے جو مِلکی وے کے مرکز سے تشکیل پاتا ہے۔

3- تیسرا آسمان: ہمارے مقامی کلسٹر (کہکشاؤں کے گروہ) کا خلائی میدان ہے۔

4- چوتھا آسمان: کائنات کا مرکزی مِقناطیسی میدان ہے، جو کہکشاؤں کے تمام گروہوں کے مجموعے سے تشکیل پاتا ہے۔

5- پانچواں آسمان: اُس کائناتی پٹی پر مشتمل ہے جو قواسرز (quasars) بناتے ہیں۔

6- چھٹا آسمان: پھیلتی ہوئی کائنات کا میدان ہے، جسے رِجعتِ قہقری کی حامل (پیچھے ہٹتی ہوئی) کہکشائیں بناتی ہیں۔

7- ساتواں آسمان: سب سے بیرونی میدان ہے، جو کہکشاؤں کی لامحدود بیکرانی سے تشکیل پاتا ہے۔

اِن سات تہ در تہ آسمانوں کا ذِکر قرآنِ مجید نے آج سے 14 صدیاں پہلے واشگاف اَنداز میں کر دِیا تھا۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ''اِسلام اور جدید سائنس'')

34- قیامت کا سائنسی تصور

سائنسی تحقیقات کے مطابق کائنات کا آغاز آج سے کم و بیش 15 ارب سال پہلے 'اوّلین عظیم دھماکے' (Big Bang) کی صورت میں ہوا تھا اور اُس کا اِنجام آج سے تقریباً 65 ارب سال بعد کائنات کے آخری عظیم دھماکے' (Big Crunch) پر ہوگا۔

پھیلتی ہوئی کائنات اپنی نصف عمر گزار لینے کے بعد کشش باہمی کی وجہ سے سکڑاؤ کا شکار ہو جائے گی۔ باہر کو پھیلتی ہوئی کہکشاؤں کی رفتار کم ہو جائے گی، حتیٰ کہ وہ مرکز کی سمت اِنہدام کا شکار ہو جائیں گی اور آپس میں ٹکرا کر مکمل طور پر تباہ ہو جائیں گی۔ یہ ٹکراؤ (یعنی بگ کرنچ) بگ بینگ جیسے اِنتہائی عظیم اوّلین دھماکے کی طرح ہوگا۔ تمام اَجرامِ سماوِی کا مادّہ سیاہ شگافوں میں جا گرے گا اور کائنات کی تمام ہائیڈروجن (hydrojen) اور ہیلیئم (hylium) ستاروں کی تھرمونیوکلیائی آگ میں جل کر ختم ہو جائیں گی۔ کوئی نیا ستارہ پیدا نہیں ہوگا اور کائنات مُردہ ستاروں، شہابیوں، چٹانوں اور اُنہی جیسے دُوسرے کائناتی ملبے پر مشتمل ہوگی۔

اِس کائنات کی اِجتماعی قیامت کا یہ عمل آج سے 65 ارب سال بعد شروع ہوگا اور 10^{140} سال بعد مکمل ہوگا اور بالآخر یہ عمل پوری کائنات کو ایک عظیم سیاہ شگاف بنا دے گا، اور شاید تمام مادّہ، توانائی، مکان اور زمان اُس میں سمٹ جائے اور وہ دوبارہ سے سُکڑتے ہوئے چھوٹی ہو کر 'اِکائیت' اور صفر جسامت بن جائے گی اور لاشئ اور غیر موجود (nothing & naught) ہو جائے گی۔

سورج کی موت

نظامِ شمسی کا حصہ ہونے کی وجہ سے ہماری قیامت اس سے بہت پہلے واقع ہو جائے گی، کیونکہ ہماری قیامت ہمارے سورج کی موت سے جڑی ہے۔ دیگر ستاروں کی طرح سورج میں موجود مادّہ کی مقدار کا بڑا حصہ ہائیڈروجن (Hydrojen) پر مشتمل ہے، جس کے مسلسل خودکار ایٹمی دھماکوں سے روشنی اور حرارت کا وسیع تر اِخراج ہوتا ہے، جس سے سورج چمکتا نظر آتا ہے۔ ایٹمی دھماکوں کا یہ عمل ہائیڈروجن کو ہیلیئم میں تبدیل کرتا چلا جاتا ہے۔ ہمارے سورج میں ابھی اِتنا اِیندھن موجود ہے کہ وہ ساڑھے چار ارب سال مزید روشن رہ سکے۔

جب ہمارے سورج کے مرکز میں واقع دس فیصد ہائیڈروجن نیوکلیئر فیوژن کے عمل سے گزر کر ہیلیئم میں تبدیل ہو جائے گی تو سورج کا مرکز اپنے بے پناہ دباؤ کے تحت مزید سُکڑے گا اور اُس کا درجہ حرارت بے پناہ حد تک بڑھ جائے گا۔ ایسے میں ہیلیئم بھی جلنا شروع کر دے گی، جس سے کاربن پیدا ہو کر سورج کے مرکز میں جمع ہونے لگے گی۔ ہائیڈروجن اور ہیلیئم کے جلنے کا یہ دُہرا عمل سورج میں شدید حرارت پیدا کر دے گا، جس سے زوردار دھماکوں کے ساتھ سورج کی بیرونی سطح پھول جائے گی اور اُس کے بعد اُس پھولی ہوئی سطح کا ٹمپریچر بھی نسبتاً کم ہو جائے گا۔

کسی ستارے کے پُھول کر اپنی اصل جسامت سے کئی گناہ بڑھ جانے کو فلکیاتی سائنس کی اِصطلاح میں 'سرخ ضخّام' (red giant) کا نام دیا جاتا ہے۔ ہمارا سورج جب red giant میں تبدیل ہوگا تو وہ پُھول کر نہ صرف عطارُد بلکہ زُہرہ کے مدار تک آ پہنچے گا۔ جس سے لامحالہ دونوں قریبی سیارے سورج میں گر کر اُس کے وُجود کا حصہ بن جائیں گے۔ زمین زیادہ فاصلے پر ہونے کی بنا پر سورج میں گرنے سے تو بچ جائے گی، مگر سورج کا پُھول کر زمین سے اِس قدر قریب تک چلے آنا زمین کے درجۂ حرارت کو بے اِنتہا بڑھا دے گا، جس سے کرۂ ارض پر واقع کروڑوں اربوں اَقسام کی اَنواعِ حیات جُھلس کر تباہ ہو جائیں گی اور ہر سُو قیامت چھا جائے گی۔

سورج کے پُھول کر زمین سے اِس قدر قریب چلے آنے سے زمین پر قیامت برپا ہونے کے ضمن میں تاجدارِ کائنات ﷺ سے بہت سی اَحادیث مروی ہیں۔ نبی آخر الزماں ﷺ نے فرمایا:

تُدۡنَی الشَّمۡسُ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ مِنَ الۡخَلۡقِ.

(صحيح مسلم، 2 : 384)

''قیامت کے روز سورج مخلوق سے اِنتہائی قریب آن پہنچے گا۔''

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ''اِسلام اور جدید سائنس'')

35- تسخیر ماہتاب (Conquest of the Moon)

جولائی 1969ء میں امریکہ کے خلائی تحقیقاتی اِدارے NASA کے تحت تین سائنس دانوں کے ہاتھوں تسخیرِ ماہتاب کا عظیم تاریخی کارنامہ اِنجام پذیر ہوا۔ اُس واقعہ کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے قرآن نے چودہ سو سال پہلے اِعلان کر دیا تھا:

وَ الۡقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ○ لَتَرۡكَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ○ فَمَا لَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ○

(الانشقاق، ۸۴:۱۸۔۲۰)

''اور قسم ہے چاند کی جب وہ پورا دکھائی دیتا ہے○ تم یقیناً طبق در طبق ضرور سواری کرتے ہوئے جاؤ گے○ تو اُنہیں کیا ہو گیا ہے کہ (قرآنی پیشین گوئی کی صداقت دیکھ کر بھی) اِیمان نہیں لاتے○''

چاند کی قسم کھا کر فرمایا کہ تم یقیناً ایک طبق سے دُوسرے طبق تک پہنچو گے، یعنی تم ایک سیارے سے دوسرے سیارے تک پرواز کرو گے۔ پچھلی آیت میں جو چاند کی قسم کھا کر بات کا آغاز کیا گیا، اُس سے واضح اِشارہ ملتا ہے کہ آگے بیان ہونے والی حقیقت چاند سے ہی متعلق ہے۔

لترکبنّ، رکب یرکب سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے کسی پر سوار ہونا۔ اِسی سے اِسمِ ظرف ﴿مَرْکَب﴾ نکلا ہے، یعنی سوار ہونے یا بیٹھنے کی جگہ۔ گھوڑے پر سوار ہوتے وقت جس پر پاؤں رکھا جاتا ہے اُسے بھی اِسی وجہ سے رکاب کہتے ہیں۔ گویا لَتَرْکَبُنَ کا لفظ اِس اَمر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اُوپر جانا کسی سواری کے ذریعے ہوگا۔ اِمام راغب اِصفہانیؒ فرماتے ہیں:

الرّکوب: فی الأصل کون الإنسان علی ظهر حیوان، و قد یُستعمل فی السفینة.

(المفردات:۲۰۲)

''رکوب: اصل میں اِنسان کے کسی حیوان پر سوار ہونے کو کہتے ہیں لیکن اِس کا اِستعمال جہاز پر سواری کے لئے بھی ہوتا ہے۔''

لَتَرْکَبُنَ جمع کا صیغہ ہے اور صیغہ جمع عام طور پر عربی زبان میں کم از کم تین کے لئے اِستعمال ہوتا ہے، جس سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوگئی کہ وہ کم از کم 3 افراد ہوں گے، جو زمین سے چاند کی طرف پرواز کر کے جائیں گے اور اُس سے اگلی آیت بتاتی ہے کہ وہ تینوں غیرمسلم ہوں گے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ Apolo-11 میں تسخیرِ ماہتاب کے لئے جانے والے مسافر تین ہی تھے اور وہ تینوں غیرمسلم تھے: نیل آرمسٹرانگ (Neil Armstrong)، ایڈوِن بُز (Edwin Buzz) اور کولنز (Collins)۔ اَب پھر اِن آیاتِ کریمہ اور اُن کی ترکیب ملاحظہ کیجئے۔

قرآن قسم کھا کر کہہ رہا ہے کہ ''قسم ہے چاند کی جب وہ پورا ہو جائے۔ اے بنی آدم! تم میں سے کم از کم تین اَفراد پرواز کریں گے''۔ کہاں سے کہاں تک...... ''طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ'' ایک طبق سے دُوسرے طبق تک۔ پہلا طبق تو یقیناً زمین ہے کیونکہ مخاطب اہلِ زمین تھے جو کسی دُوسرے طبق تک جائیں گے۔ دُوسرے طبق کا تعین بھی حکیمانہ انداز میں کیا گیا۔ اگر یہاں دُوسرے طبق کے لفظ کی بجائے سیدھا چاند ہی کہہ دیا جاتا تو پھر تسخیرِ کائنات کی مہم صرف طبقِ مہتاب تک ہی محدود و محصور تصور کی جاتی۔ ربِ ذوالجلال کو یہ منظور نہ تھا کہ اِنسان کی پرواز زمین کے بعد چاند پر جا کر

رک جائے بلکہ وہ چاند کے بعد دیگر اَجرامِ فلکی کی تسخیر بھی چاہتا تھا۔ اِسی لئے لفظ طَبَقٍ کو تنوین کے ساتھ عام کر دیا تا کہ یکے بعد دیگرے اِنسان اَجرام و طبقاتِ کائنات کو تسخیر کرتا چلا جائے اور رازِ کائنات فاش کرنے کی مہم جاری رہ سکے۔ لیکن پہلا طبق جس پر اوّلاً اِنسان پہنچے گا وہ چاند ہو گا۔ اِس لئے اُس کی قسم پہلے کھائی گئی کیونکہ زمین کے سب سے زیادہ قریب چاند ہی کا طبق تھا اور باقی سب اُس کے مقابلے میں دُور تھے۔ آج سے چودہ سو سال قبل اہلِ زمین کو یہ پیشینگوئی سنائی گئی کہ تم میں سے کم از کم تین شخص کسی چیز پر سوار ہو کر پرواز کریں گے اور زمین کے طبق سے چاند تک پہنچیں گے، لیکن تسخیرِ مہتاب کے بعد اِنسان کی تگ و دَو ختم نہیں ہو جائے گی بلکہ جاری رہے گی۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ''اِسلام اور جدید سائنس'')

36- رؤیتِ ہلال (Moon Visibility) اور اِسلامی ماہ کا تعین

شریعت کا مطلوب و مقصود عبادات اور اَحکام کی ادائیگی ہے، اُن تک پہنچانے والے وسائل اور ذرائع مقصود بالذات نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ذرائع میں ہر دور میں تغیر و تبدل ہوتا رہا مگر عباداتِ مقصودہ اپنی اصل روح کے ساتھ ہر دور میں قائم رہیں۔ روزے میں بھی حقیقی مقصود تو روزہ کی ادائیگی ہے مگر اُس کی ادائیگی کیلئے ماہ رمضان المبارک کے آغاز کا تعین کرنا ضروری ہے۔ اس بارے میں نبی اکرم ﷺ کا اِرشاد ہے:

صُوموا لِرؤيته وافطروا لِرؤيته، فإن غُمّ عليكم فأكملوا العدد.

(صحيح مسلم، 2 : 762، رقم: 1080)

''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو، اور اگر (وہ) پوشیدہ رہے تو گنتی پوری کرلو۔''

ایک اور حدیثِ مبارکہ میں مختلف الفاظ کے ساتھ اِرشاد فرمایا:

صُوموا لِرؤيته وافطروا لِرؤيته، فإن غُمّ عليكم فعدّوا ثلاثين۔

(سنن ترمذی، 3 : 68، 684)

''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو، اور اگر ہلال پوشیدہ رہے تو (مہینے کے) تیس (دن) پورے کرو۔''

ایک اور حدیثِ مبارکہ میں مختلف الفاظ کے ساتھ اِرشاد فرمایا:

صُوموا لِرؤيته وأفطروا لِرؤيته، فإن غُمّ عليكم الشهرَ فأكملوا العدة ثلاثين.

(مسند احمد بن حنبل، 2 : 422، رقم: 9453)

’’چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو، اور اگر مہینہ (ہلال) پوشیدہ رہے تو (مہینے کے) تیس (دن) پورے کرو۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس حدیثِ مبارکہ میں رمضان المبارک کے آغاز و اِختتام کے لئے چاند دیکھنے کا حکم دیا اور 29 ویں دن ہلال کے نظر نہ آنے کی صورت میں تکمیلِ عدد کا حکم اِرشاد فرمایا، یعنی 30 روزے پورے کرو اور 31 ویں دن روزہ مت رکھو۔

توجہ طلب بات یہ ہے کہ یہاں آپ ﷺ نے اِختتامِ رمضان المبارک کے لئے 30 ویں دن دوبارہ چاند دیکھنے کا حکم نہیں دیا۔ اگر نئے قمری ماہ کے آغاز کے لئے رؤیتِ ہلال شرط ہوتی تو ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ 30 ویں دن بھی ہلال کو تلاش کیا جاتا اور اُس کے نظر نہ آنے کی صورت میں عیدالفطر ورنہ 31 واں روزہ رکھا جاتا۔ روزوں کے 30 سے زیادہ نہ ہو سکنے کا علم یقیناً حساب اور علم الھیت ہی سے میسر آیا ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ’’**فعدوا ثلاثين**‘‘ اور ’’**فأكملوا العدد**‘‘ کے الفاظ یہ حکمت واضح کر رہے ہیں کہ حضور ﷺ اُمت کو حساب کی طرف لا رہے ہیں۔ سو جب تک اُمت کا علم 29 ویں دن کے حساب کے لئے قطعی اور یقینی نہ تھا وہ 30 ویں دن تو حساب پر عمل کرتی اور 29ویں دن رؤیتِ بصری پر اِکتفا کرتی رہی اور آج جب علم الھیت اپنے کمال کو پہنچا کہ 29ویں دن بھی 100 فیصد درست نتائج دے سکے تو لامحالہ اُس پر عمل بھی سنتِ نبوی قرار پائے گا۔

آپ اگر توجہ کریں تو ایک ہی حدیث میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے دو اُمور کی طرف واضح نشان دہی فرما دی کہ یا رؤیت پر اِعتبار کرے اور اگر رؤیت میسر نہ آئے تو پھر گنتی پر اِعتبار کرے۔ گنتی کو علم حساب کہتے ہیں اور جب یہ گنتی ایک علم میں بدل گئی تو یہ علم الھیت اور علم الحساب کہلانے لگا۔ گویا اگر رمضان یا شوال کی تلاش 29 دنوں پر منحصر ہو تو رؤیت پر عمل کیا جائے اور اگر اُس کا اِنحصار 30 ویں دن پر ہو تو یہ نہیں فرمایا کہ 30 ویں دن پھر دیکھو اور چاند کو تلاش کرو۔ فرمایا کہ بس 30 کی گنتی کے پوری کر لینا کافی ہے۔ گویا حضور نبی اکرم ﷺ نے 29 ویں دن پر رؤیتِ

بصری کی طرف نشاندہی فرما دی اور 30 ویں دن اس وقت کے زمانے مطابق رؤیتِ عقلی یا رؤیت بالحساب کی طرف نشاندہی فرمائی کہ گنتی پوری کرو۔

توجہ طلب بات یہ ہے کہ وہ حساب کہ 30 دن سے آگے چاند نہیں جائے گا، یہ کس طرح میسر آیا؟ یہ تو علم الحساب تھا علم الہیت تھا، جو پرانے وقتوں سے میسر سائنسی علم کے بل بوتے پر اِنسانیت کے پاس چلا آ رہا تھا کہ چاند کا مہینہ 30 سے زیادہ کا نہیں ہوتا۔ اُس وقت چونکہ اُمت کے پاس میسر علم الحساب اور علم الہیت کے مطابق صرف 30 ویں دن بارے ہی درست علم ممکن تھا اِس لئے اُسے 30 ویں دن سے متعلق کر دیا اور 29 ویں دن کو آنکھ سے دیکھنے سے متعلق رکھا۔ اِس حدیثِ مبارکہ میں آپ نے علم الحساب اور علم الہیت کی طرف بھی واضح طور پر اِشارہ فرما دیا تھا اور مقصود یہ تھا کہ آنے والے وقتوں میں جب علم الحساب قطعیت اِختیار کر جائے گا اور اُس میں غلطی کا اِمکان کم ہوتے ہوتے ختم ہو جائے گا اور علم الحساب جب اِس حد تک قابلِ اعتماد درجے تک پہنچ جائے گا تو پھر 29 ویں دن کے معاملے کو بھی علم الحساب کی طرف لا سکتے ہو۔

30 ویں دن علم الحساب کی طرف نشاندہی فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ جب علم الحساب اور علم الہیت، Astronomy اور چاند اور سورج کے سفر کرنا اور ان کے منازل یہ اتنے پختہ ہو جائیں اور اس بارے تمہارا علم اِتنا قائم و دائم اور واضح ہو جائے تو پھر وہ سٹیج آ جائے گی کہ تم اپنے تمام تر علم کی بنیاد علم الحساب پر رکھ سکتے ہو۔ حضور ﷺ نے دراصل رؤیت بالعقل یا رؤیت بالحساب کی طرف بھی اُسی وقت صریحاً اپنی زبانِ مبارک کے ساتھ اِشارہ فرما دیا تھا۔

آج کے دور میں رؤیت کا معنی صرف رؤیت بالبصر پر اِصرار کرنا درست نہیں اور نہ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ منشا تھا کہ صرف آنکھ ہی سے دیکھے ہوئے چاند پر اِعتماد کیا جائے۔ بنیادی چیز یہ ہے کہ اُس دور میں چاند کے ہونے یا نہ ہونے کی خبر اور اِطلاع کا کوئی اور ذریعہ نہ تھا لہٰذا آنکھ سے دیکھنے کے سوا رؤیت کا کوئی اور معنی ممکن تھا اور نہ قابلِ عمل۔

اِسلام کی قرونِ اُولیٰ میں نئے ماہ کے تعین کے لئے چاند کو آنکھ سے دیکھنے کا طریقہ مروج تھا، کیونکہ عامۃ الناس کیلئے یہی ایک آسان ذریعہ تھا، جس سے نیا چاند ثابت کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ اِرشادِ ربانی ہے:

هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْأُمِّيِّنَ رَسُولاً.

(الجمعہ، 62: 2)

''وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں رسول بھیجا''

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

نحن أمةٌ أمية، لانكتب ولانحسب.

(صحيح بخاری، 2 : 675، رقم: 1814)

''ہم ایک اَن پڑھ قوم ہیں، جو حساب کتاب کرنا نہیں جانتی۔''

تاجدارِ کائنات ﷺ کا رؤیتِ ہلال کے ضمن میں اپنی قوم کے اَن پڑھ ہونے کا ذکر کرنا اِس بات کی طرف واضح اِشارہ کرتا ہے کہ چاند کے سادہ حساب کا یقینی سبب قوم کی علم سے دُوری تھی۔ اِس حدیثِ مبارکہ میں ایک اور اِشارہ بھی پنہاں ہے کہ جب یہ سبب رفع ہو جائے تو چاند کے سادہ حساب کی ضرورت بھی رفع ہو جائے گی اور اُمت کا علم الحساب کی مدد سے ہلال کو جاننا بھی عین درست ہوگا۔

اللہ ربّ العزت نے تاجدارِ کائنات ﷺ کو جس قوم میں مبعوث فرمایا، یہ وہ لوگ تھے جو الف ب بھی پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ کوئی سکول، مکتب، مدرسہ موجود نہیں تھا۔ اُن کے پاس علم الھیئت (Astronomy)، علم الحساب یا کوئی Almanac یا Obsevatory یا کوئی Scientific Method کسی چیز کے تعین کرنے کو نہیں تھے۔ ابھی سائنس کی ڈویلپمنٹ نہیں تھی لہٰذا اَن پڑھ قوم جس کے پاس یہ ذرائع موجود نہ ہوں کہ چاند ہو گیا ہے یا نہیں ہوا۔ روزے رکھنے اور عید کرنے کے لئے چاند کی خبر کا کوئی ذریعہ اس زمانے میں روئے زمین پر ممکن نہ تھا سوائے یہ کہ شہادت ملے اور آنکھوں سے دیکھ کر کوئی کہے کہ چاند دیکھ لیا ہے کوئی کہے کہ نہیں نظر آیا، اور بس۔ حضور ﷺ کا اِرشاد واضح کر رہا ہے کہ اصل وجہ یہ تھی کہ قوم لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی۔ یہ وہ علت تھی جس کی وجہ سے اس وقت آنکھوں سے دیکھ کہ اس وقت چاند پر اعتماد یعنی رؤیت بصری پر اعتماد کیا جاتا تھا ورنہ مقصود یہ نہیں تھا کہ قیامت تک یا ہمیشہ میری امت آنکھ سے دیکھنے کے ذریعے پر ہی اعتماد کرے اور اگر اُس سے زیادہ اور باوثوق اور بہتر ذریعہ اِیجاد ہو جائے تو اُسے نظرانداز کیا جائے۔ اعلیٰ درجہ کی سائنسی ترقی اور قابلِ اِعتماد ذرائع کی اِیجاد کے بعد اُنہیں نظرانداز کر دینا مقصود نہیں تھا۔ اُس زمانے میں جو میسر ذرائعِ علم تھے صرف اُن کی طرف نشاندہی فرما دی تھی اور اُس کی وجہ بتا دی تھی

کہ اُس کے سوا اور کوئی ذریعہ اُس قوم پاس نہیں تھا۔

اِنسانی شعور اُس وقت چونکہ اِس قابل نہ تھا کہ گردشِ لیل و نہار میں پنہاں رازوں سے شناسائی حاصل کرتا، چنانچہ تاجدارِ کائنات ﷺ نے اُمت کو اُن مشکل قضیوں میں نہیں ڈالا۔ اس کی تائید ایک اور حدیثِ مبارکہ سے بھی ہوتی ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

إن الله يبعثني معنتاً و لا متعنتاً ولكن بعثني معلماً ميسراً.

(صحيح مسلم، 2 : 1104، رقم: 1478)

’’اللہ تعالیٰ نے مجھے آسانی پیدا کرنے والا معلم بنا کر بھیجا ہے نہ کہ سختی کرنے والا۔‘‘

اِن تفصیلات کی روشنی میں اِن احادیثِ مبارکہ پر غور کریں تو آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تمہیں چاند کے ہونے کا علم ہو تو اُس علم پر روزہ رکھو اور چاند کے ہونے کے علم پر اِفطار کرو۔ دراصل حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جب تمہیں علم ہو جائے، اِطلاع ہو جائے، جب جان لو کہ چاند ہو گیا تو روزہ رکھو اور اِفطار کرو۔ اَب اِس وقت جو ننگی آنکھ کا ذکر احادیث میں آتا ہے وہ مقصود نہیں تھا، وہ محض ذریعہ تھا کہ جاننے اور علم ہونے کا اُس وقت اور کوئی ذریعہ اُس دور کی اِنسانی ترقی کے مطابق ممکن نہ تھا۔ ایک ہی صورت تھی کہ ننگی آنکھ سے دیکھنے اور شہادت لے کر خبر دینے کی۔ ذرائع بدلتے رہتے ہیں، شریعت میں ذرائع بدلنے سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا، مقاصد وہی رہتے ہیں۔ مقصد تک پہنچانا بنیادی چیز ہوتی ہے۔ جدید ذرائع کی بدولت ہم آج سے سو سال بعد Brith of Moon (یعنی قِران) کی خبر دے سکتے ہیں۔ اس طرح جیسے دو جمع دو چار کا حساب ہوتا ہے۔ اب علم یہاں تک پہنچ گیا، تو گویا حدیثِ نبوی ﷺ یہ کہہ رہی ہے کہ تمہیں جب علم ہو کہ یہ صورت ہے چاند کے ہو جانے کی تو اُس پر عمل کرو۔

چاند کی پہچان اور نئے قمری ماہ کے تعین کا یہ ذریعہ اُس وقت تک متداول رہا جب تک تعین اوقاتِ صلوٰۃ کے ٹائم ٹیبل کی طرز پر اِنسان تعینِ ماہِ قمری کے قابل نہیں ہوا تھا۔ آج اگر حدیثِ مبارکہ کے مقصودِ حقیقی کو پورا کرنے کے لئے سائنسی ذریعۂ علم پیدا ہو جائے جو نئے قمری ماہ کے آغاز کے سلسلے میں 100 فیصد درست نتائج دے سکے تو اُسے اِختیار کرنا بھی اُمتِ مسلمہ کے لئے اُسی طرح سنت قرار پائے گا جیسے ایک وقت تک ننگی آنکھ سے ’رؤیتِ ہلال‘ ضروری تھی۔ آج اگر اُمتِ مسلمہ ’رؤیتِ ہلال‘ کے نئے طریقے کو اپنانے میں تردّد کا شکار ہے تو اُس کی واحد وجہ اُس کی علمی

پسماندگی ہے۔ گھڑی کی اِیجاد کا سہرا اگر کسی غیرمسلم قوم کے سر ہوتا اور اُمتِ مسلمہ آج کی طرح اُس دور میں بھی سائنسی شعور سے دُور ہوتی تو گھڑی کو اوقاتِ صلوٰۃ کے تعین کے لئے اِستعمال کرنا بھی بدعت خیال کیا جاتا۔

جن فقہاء اور محدثینِ کرام کے حوالے سے علم الہیت کے ناقابلِ اعتبار ہونے پر اِجماع کا قول پیش کیا جاتا ہے اُن کے دور میں علم الہیت اِس درجہ ثقاہت تک نہیں پہنچا تھا، یہی وجہ ہے کہ 'رؤیتِ ہلال' کو فقط 'رؤیتِ بصری' پر محمول کیا جاتا رہا۔ سائنسی ترقی کے اِس دور میں حسابِ فلکی ایسے قطعی اور یقینی درجہ تک پہنچ چکا ہے کہ اگر اُسے عباداتِ مقصودہ تک پہنچنے کا ذریعہ (یعنی اِثباتِ ہلال) کی بنیاد بنایا جائے تو ناجائز نہ ہوگا۔ علم فلکیات (Astronomy) زمانہ قدیم میں تحقیق و اِکتشاف کے اس درجہ تک نہیں پہنچا تھا بلکہ ظن اور تخمین کی حالت میں تھا اس لئے پہلے دور کے علماء و محققین اور علم ہیئت و فلکیات کے ماہرین اس مسئلہ پر اس قدر واضح اور یقینی نہ تھے گویا قران (نئے چاند کی ولادت) کے لیے مطلوبہ مدت کا علم دور قدیم میں ظنی تھا جبکہ اب سائنسی تحقیقات اور فلکیات میں علم الحساب کے فروغ نے اسے علم یقینی کا درجہ دے دیا ہے۔

حدیثِ مذکورہ کے مفہوم میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رؤیتِ بصری پر اِکتفا کرنے کا حکم ایک علتِ منصوصہ کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ علت یہ ہے **نحن أمة أمية، لانكتب ولانحسب** کہ اُمت لکھنا اور حساب کرنا نہیں جانتی تھی، اور قاعدہ یہ ہے کہ **الحكم يدور مع علته، وجوداً وعدماً** حکم معلول اپنے وُجود و عدم میں علت کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ چنانچہ آج جب یہ علت (اُمت کا حساب کتاب نہ کرسکنا) ختم ہوگئی اور وہ حساب و کتاب میں مہارت پیدا کر چکی ہے تو حکم معلول (رؤیتِ بصری) کی پابندی ختم ہوگئی۔

سائنسی و عقلی شواہد

رؤیت ہلال کی دوصورتیں ہیں:

۱۔ ننگی آنکھ سے رؤیت — Naked Eye sighting Visibility

۲۔ آلاتی و دور بینی — Telescopic Sighting Visibility

ہلال کو ننگی آنکھ سے دیکھنا یا جدید رصدگاہی آلات اور دور بین کے ذریعے دیکھنا، دونوں رؤیتیں اصلاً ایک ہی چیز ہیں۔ ان میں بنیادی طور پر کوئی تضاد یا تخالف نہیں ہے بلکہ دوسری صورت، پہلی ہی صورت کے لئے مدد و معاون کا

درجہ رکھتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ننگی آنکھ سے رؤیت ہلال میں درج ذیل مقامی کیفیات اثر انداز ہوتی ہیں:

۱۔ مطلع کی کیفیت کیا ہے؟ صاف ہے یا ابر آلود ہے؟
۲۔ فضا کس قدر شفاف یا گرد آلود ہے؟
۳۔ مقامِ مشاہدہ کا محل وقوع کیا ہے؟
۴۔ مقامِ مشاہدہ کی سطح سمندر سے بلندی کس قدر ہے؟
۵۔ موسم کیسا ہے گرم یا سرد؟
۶۔ فضا میں نمی ہے یا خشکی؟
۷۔ دیکھنے والے کی عمر اور بصارت وغیرہ الغرض یہ تین قسم کے عوامل ہیں جو ظاہری و بصری رؤیت پر اثر انداز ہوتے ہیں:

۱۔ موسمیاتی عوامل (Atmospheric Factores)
۲۔ بصری عوامل (Optical Factors)
۳۔ انسانی عوامل (Human Factors)

ان کی وجہ سے بسا اوقات کسی جگہ پر ہلال ہو چکا ہوتا ہے یعنی وہ ''نئے چاند'' (New Moon) یا قران کی حالت سے نکل کر حالتِ ہلال میں داخل ہو چکا ہوتا ہے مگر مطلع، فضا، مقام، موسم اور بعض دیگر عوامل کے باعث ننگی آنکھ سے کسی کو دکھائی نہیں دیتا، حالانکہ وہ اصلاً قابل رؤیت (Visible) ہو چکا ہوتا ہے۔ اس صورت میں آلاتی و دور بینی رؤیت انسان کو مدد دیتی ہے۔ جو لوگ محض بصری رؤیت کو معتبر اور آلاتی و دور بینی رؤیت کو غیر معتبر سمجھتے ہیں اُنہیں معلوم ہونا چاہیے کہ رصدگاہی آلات اور دوربین جتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہوں ہلال کو عدم سے وجود میں نہیں لا سکتی۔ اگر چاند حالتِ قران (Conjuntion) میں ہو اور ابھی مقامِ ہلال یعنی قابل رؤیت ہونے کی حالت تک نہ پہنچا ہو تو دنیا کا کوئی سائنسی آلہ بھی اسے دیکھ یا دکھا نہیں سکتا۔ گویا دوربین (Binocullars Telescope) کے ذریعے بھی رؤیت اُسی وقت ممکن ہوتی ہے جب چاند ہلال (Crescent) بن کر قابل رؤیت (Visible) ہو چکا ہوتا ہے۔

ننگی آنکھ کی رؤیت اور آلاتی و دور بینی رؤیت کے درمیان عملاً یہ فرق ہے کہ مطلع کی مقامی فضائی اور موسمی

کیفیات کے باعث چاند کو ولادت (Birth of New Moon) کے بعد بالعموم 24 گھنٹے یا اُس سے زائد مدت گزرنے پر دیکھا جاسکتا ہے، ہر چند کہ بعض اوقات اِستثنائی کیفیات میں اس سے کم مدت میں بھی رؤیت ہلال ہو جاتی ہے۔

ہمیں اب تک کے میسر ریکارڈ میں سے کم سے کم ساڑھے چودہ گھنٹے کی عمر کا ہلال دیکھے جانے کا ثبوت مل سکا ہے، جو مؤرخہ 2 مئی 1916ء انگلینڈ میں 14 گھنٹے 30 منٹ کی عمر کا چاند دیکھا گیا تھا۔ ساڑھے چودہ گھنٹے سے 24 گھنٹے کے درمیان عمر کا ہلال دیکھے جانے کے تو بہت سے شواہد بین الاقوامی ریکارڈ پر موجود ہیں۔

دوسری طرف اب تک کے میسر ریکارڈ کے مطابق دوربین (Binoculars Telescope) سے کم از کم 13.5 گھنٹوں کے ہلال کی رؤیت کا ثبوت مل سکا ہے۔

دیکھنے والے کا نام: Robert C.Victor

استعمال ہونے والی دوربین: Tripod-Mounted 11x80 Binoculars

مقام مشاہدہ: Michigan (USA)

تاریخ مشاہدہ: 5 مئی 1989ء

(Sky and Telescope, Sep.1989, P-322)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ننگی آنکھ کی رؤیت اور آلاتی رؤیت کے ریکارڈ ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں:

ننگی آنکھ کی رؤیت کا ریکارڈ	دوربینی رؤیت کا ریکارڈ
14.30 گھنٹے کے ہلال کی رؤیت	13.05 گھنٹے کے ہلال کی رؤیت
1916ء	1982ء

یہ موازنہ اور تحقیق اس لئے پیش کی گئی ہے کہ وہ مذہبی ذہن جنہیں سائنسی تحقیقات و اِکتشافات سے عدم واقفیت کی بنا پر بلاوجہ سائنس اور جدید ٹیکنالوجی سے اِختلاف اور نفرت ہے اور وہ سائنسی آلات اور ان کے مشاہدات کی نسبت مغالطہ اور بدگمانی میں مبتلا رہتے ہیں وہ اپنا خیال درست کر سکیں کہ دوربین نے کسی ناممکن کو ممکن یا معدوم کو موجود نہیں بنایا بلکہ ایک ممکن کو ہی سہل اور آسان کر کے دکھایا ہے۔

ننگی آنکھ کی رؤیت میں چاند (ہلال) کا 20 گھنٹوں سے بھی کم عمر میں حتی کہ ساڑھے چودہ سے 16 گھنٹوں کی عمر میں دکھائی دیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ پیدائش قمر (قران) کے بعد ہلال بعض اوقات اتنے عرصہ میں بھی ننگی آنکھ سے دیکھے جانے کے قابل ہو جاتا ہے مگر مختلف مطالع پر مقامی، موسمی اور فضائی یا زاویائی کیفیات کے باعث عام طور پر دکھائی نہیں دیتا۔ دوربینی یا رصدگاہی آلات نے انہی رکاوٹوں کو دور کر کے عمل رؤیت کو شفاف کر دیا ہے اور چاند جو بصورت ہلال مطلع پر پہلے سے ہی موجود تھا اسی کو واضح کر دکھایا۔ حقیقتاً دوربین سے بھی ہلال کو انسانی آنکھ نے ہی دیکھا ہے۔ یہ بھی کاملاً بصری رؤیت ہے مگر بغیر آلات کی مدد کے ہے درحقیقت ہم جسے ظاہری و بصری رؤیت کہتے ہیں وہ بغیر امداد آلات کے بصری اور جسے دوربینی، آلاتی یا رصدگاہی رؤیت کہا جاتا ہے وہ بھی بصری رؤیت ہی ہے مگر امداد آلات کے ساتھ اس کی مثال ''نظر کی عینک'' (Glasses) ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب ایک شخص کی بینائی کمزور ہو جائے تو عینک کی مدد سے وہ اپنی طبعی قوت مشاہدہ میں اضافہ کر لیتا ہے اسے ہر کوئی جائز سمجھتا ہے تو دوربین (Telescope) جیسے آلات بھی اسی قبیل میں آتے ہیں کیونکہ ان سے بھی فقط قوت مشاہدہ اور استعداد ادراک میں اِضافہ ہوتا ہے اور چاند جو بعض اوقات یا بعض مقامات پر مطالع کی دھندلاہٹ کے باعث ننگی آنکھ سے دکھائی نہیں دیتا، یہ آلات ان کی رؤیت آسان اور شفاف بنا دیتے ہیں لہٰذا شرعاً وعقلاً ان آلات کی مدد سے واقع ہونے والی رؤیت اور ننگی آنکھ کی رؤیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

یہاں یہ امر بہت اہمیت کا حامل ہے کہ کئی مقامات پر چاند پہلے ننگی آنکھ سے نہ دیکھا جا سکا، جب اُسے دوربین کی مدد سے دیکھا گیا اور اُس کا محل وقوع صحیح طور پر معلوم ہوگیا تو دوبارہ ہلال ننگی آنکھ سے بھی دیکھ لیا گیا۔

اسی طرح 14 جولائی 1988ء اور 6 اپریل 1989ء کو Schaefer اور Doggett ہلال کی مختلف حالتوں اور زاویوں سے ننگی آنکھ کی رؤیت اور بصری آلات کی مدد سے رؤیت کے نتائج کا موازنہ کیا ہے جن میں پانچ مختلف نمونے درج ذیل ہیں:

بغیر آلات بصری رؤیت	آلات کی مدد سے بصری رؤیت
ا۔ 11% رؤیت	ا۔ 71% رؤیت
۲۔ 20% رؤیت	۲۔ 66% رؤیت

۳۔	34% رؤیت	۳۔	67% رؤیت
۴۔	38% رؤیت	۴۔	75% رؤیت
۵۔	59% رؤیت	۵۔	82% رؤیت

اس موازنہ سے معلوم ہوا کہ ننگی آنکھ سے رؤیت اور بصری آلات کی مدد سے رؤیت میں ہلال کا مشاہدہ کرنے والوں کے عددی تناسب میں کس قدر فرق واقع ہو جاتا ہے۔ ایک اور بات جو رؤیت ہلال کے سلسلے میں بڑی اہمیت کی حامل ہے، وہ غروب آفتاب کے بعد وقت کا معاملہ ہے۔ عوام الناس کا یہی خیال اور معمول ہے کہ رؤیت کی شام ہلال کو غروب آفتاب کے فوراً بعد دیکھا جاتا ہے، مطلع بالکل صاف ہونے کی صورت میں جب وہ ایک خاص وقت تک دکھائی نہیں دیتا تو یہی خیال کر لیا جاتا ہے کہ چاند نہیں ہوا جبکہ رصدگاہی آلات دراصل یہ بھی بتاتے ہیں کہ ہلال غروب آفتاب کے کتنی دیر بعد سے قابل رؤیت ہوگا اور کتنی دیر تک مطلع پر رہے گا اور یہ کہ زمین سے کس زاویے پر اور افق سے کس قدر بلندی پر دیکھا جا سکے گا۔

ان معمولات سے امکانِ رؤیت کافی حد تک بڑھ جاتا ہے۔ الغرض یہ بات بالیقین جان لینی چاہئے کہ دوربینی رؤیت یا دیگر آلات کے ذریعہ رصدگاہی رؤیت بصری رؤیت کی قائم مقام نہیں بلکہ یہ خود بصری رؤیت ہی ہے۔ اس پر عدم اعتماد کا کوئی شرعی و عقلی جواز نہیں ہے۔

علم الفلکیات (Astronomy) میں ابزرویٹری (Observatory)، پلانیٹیریم (Planitarium)، طلوع وغروب آفتاب کا فلکیاتی جدول (Astronomical Talbe) اور المانک (Almanac) وغیرہ کی ایجادات میں ماضی میں مسلم سائنسدانوں کا اہم کردار رہا ہے۔ واقعتاً مسلمان ہی اس علم جدید کے بانی اور مؤسس ہیں۔ مغربی تحقیقات کی تاریخ بھی اس بات پر متفق ہے کہ رؤیت ہلال (Crescent Visibility) کے بارے میں بیشتر فلکیاتی فارمولوں کے بانی بھی مسلمان ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ آج زوال کے باعث امت مسلمہ اپنے تاریخی، علمی اور سائنسی ورثہ سے اس قدر لاتعلق اور بے خبر ہوگئی ہے کہ خود اُنہیں ہی اس کے شرعی جواز پر قائل کرنے کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔

یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ علم ہیئت کو ترقی دے کر اسے علم الحساب کے درجہ تک پہنچانے کی ترغیب

مسلمانوں کو قرآن مجید نے دی تھی۔ سورج اور چاند وغیرہ کی فلکیات گردش کے نظام کو کاملاً حساب کی صورت میں جاننا اور اسے قطعی اور یقینی علم کے مقام تک پہنچانا ان آیات قرآنی کے حکم کی تعمیل میں مسلم ماہرین فلکیات نے اپنا مطمح نظر بنایا اور انہوں نے اس علم کو اس قدر فروغ دیا کہ ایک ہزار سال کے قریب عرصہ تک وہ اس میدان میں بھی پوری دنیا کے امام و مقتداء رہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَان

(القرآن، الرحمن، ۵۵:۵)

اور سورج اور چاند معلوم اور مقررہ (فلکیاتی) حسابات سے (گردش میں) ہیں۔

یعنی سورج کا طلوع و غروب، اُس کی گردش، مدار اور اُس کی منازل و زاویہ جات، سب مقررہ اور معلوم حساب کے تحت ہیں۔ اِسی طرح چاند (Moon) کی پیدائش، پھر اُس کا ہلال (Crescent) بننا، رُبع اول (First Quarter) پھر اُس کا بدر (Full Moon) بننا، رُبع آخر (Last Quarter) اور محاق کے مرحلہ سے گزرتے ہوئے قِران (Conjunction) پر آ کر نیا چاند (New Moon) بننا، یہ سب کچھ بھی مقررہ فلکیاتی حساب کے مطابق ہے۔ اسی طرح دوسرے مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِیَاءً وَّالۡقَمَرَ نُوۡرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَالۡحِسَاب

(القرآن، یونس، ۱۰:۵)

وہی ہے جس نے سورج کی روشنی (کا منبع) بنایا اور چاند کو (اس سے) روشن (کیا) اور اس کے لئے (کم و بیش دکھائی دینے کی) منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کا شمار اور (اوقات کا) حساب معلوم کرسکو۔

ان آیات کی ضروری توضیح اور شرعی و فلکیاتی افادیت آگے بیان ہو گی مگر اس جگہ فقط یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ نظام شمس و قمر کے جملہ معاملات اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ باقاعدہ حسابات کے تحت ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان حسابات کو صحیح طریقے سے جان لینا ان کو معلوم کرنے کے لئے ضابطے اور فارمولے وضع کرنا تا کہ فلکیاتی حسابات کے مطابق سورج اور چاند کی گردشوں، مرحلوں اور زاویوں کا ٹھیک تعین ہو سکے اور اس علم پر یقین کرنا نہ صرف انسان کے لئے ممکن اور جائز ہے بلکہ عین فرمان الٰہی اور منشائے حکم قرآنی ہے۔ اسی منشاء ربانی کو پورا کرنے کے لئے مسلم

سائنسدانوں اور ماہرین نے علم ہیئت کو ترقی دے کر اسے علم الحساب کے درجہ تک پہنچا دیا اور فلکیاتی علم الحساب کے ذریعہ سورج اور چاند کی گردشوں کے مستقل جدول بنائے چنانچہ فلکیاتی علم الحساب کی تاریخ تین ادوار پر مشتمل ہے:

۱۔ **قدیم:** عراقی (بابلی) دور پر مشتمل یہ زمانہ ماقبل مسیح کی تاریخ ہے۔

۲۔ **وسطی:** یہ دور جدید فلکیات، علم رؤیت ہلال اور فلکیاتی علم الحساب کی بنیاد ہے۔ یہ سب دور اسلامی ہے۔

۳۔ **جدید:** یہ دور مغربی ہے اس نے سارا ورثہ عالم اسلام سے پایا اور اسی کو آگے بڑھایا ہے گویا 8 صدی عیسوی سے 16ویں صدی عیسوی تک آٹھ نو سو سال جدید علم رؤیت ہلال اور فلکیاتی تحقیقات کا نظام صرف مسلمانوں ہی کے زیرنگرانی فروغ پذیر رہا ہے۔ اس دور کے چند قابل ذکر اور نمایاں اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ امام یعقوب بن طارق (8ویں صدی عیسوی)
۲۔ امام محمد بن موسیٰ خوارزمی (9ویں صدی عیسوی)
۳۔ امام ابوجعفر الخازن (10ویں صدی عیسوی)
۴۔ امام محمد بن ایوب طبری (11ویں صدی عیسوی)
۵۔ الشیخ الفھاد (12ویں صدی عیسوی)
۶۔ الشیخ موسیٰ بن میمون (12ویں صدی عیسوی)

رؤیت ہلال میں پیش گوئی کے جملہ ماڈلز اور معیارات (Criteria Models Prediction) کی تاریخ مشرقی اور مغربی دونوں مصادر فلکیات میں متفقہ ہے۔ اس کے بعد کی صدیوں میں بھی مغرب میں (رصدگاہی) علم و تحقیق میں اسلامی تحقیقات ہی غالب رہی ہیں، مغربی دنیا میں اس کے لئے جدید ماڈل اور معیار موجودہ صدی میں بننے شروع ہوئے ہیں مگر ان میں Yallop اور Schaefer کے جدید ترین رصدگاہی ماڈلز کے ساتھ ساتھ ایک مسلم سائنسدان محمد الیاس (M.Ilyas) کا ماڈل بھی موجود ہے چنانچہ ابن طارق سے لے کر محمد الیاس تک کے رصدگاہی و فلکیاتی ماڈلز کی قمری گھڑیاں (Moon Watches) آج بھی تقابلی مطالعہ کے لئے مغرب کے زیر استعمال ہیں۔

(E.Schaefer, Nov.22, 1993)
(Lunar Crescent Visibility Leroy E.Goggett Bradley)

مگر شومئ قسمت کہ وہ علم جس کی تشکیل اور فروغ کا حکم درج بالا آیات کے ذریعے خود قرآن نے دیا تھا اور

اس کی امامت خود امت مسلمہ کے ہاتھ میں ایک ہزار سال تک رہی ہے آج اپنے بانیوں ہی کی نگاہ میں مشکوک اور ناقابل اعتبار ہو گیا ہے۔

وہ اُصول جن کی بنیاد پر سورج، چاند اور زمین اپنے اپنے مدار میں حرکت پذیر ہیں، اُن کے طلوع وغروب کے حسابات، اُن کی گردشیں، رفتاریں اور اوقات، ان کے باہم زاویے اور فاصلے، چاند کا زمین اور اپنے فلک کی نسبت سے مدار کو مکمل کرنا اور سورج کی نسبت سے بھی اپنے مدار کی تکمیل کرنا، الغرض اُن کے بارے میں نہ صرف دنوں، گھنٹوں، منٹوں اور سیکنڈوں تک کی تفصیلات حتمی وقطعی طور پر معلوم ہو چکی ہیں بلکہ ایک سیکنڈ کے قلیل ترین حصے کا وقت بھی پوری صحت وقطعیت کے ساتھ شمار میں آ چکا ہے اور عرصہ ہائے دراز کے مطالعہ ومشاہدہ کے بعد یہ تمام اعداد وشمار باقاعدہ حساب وکتاب اور فارمولوں کی شکل میں 4=2+2 کی طرح قطعی ویقینی علم کے درجہ تک پہنچ چکے ہیں، اِس لئے علم الہیئت اور علم الرؤیہ اب فی الحقیقت ''علم الحساب'' بن گیا ہے۔

اس میں اب ظن وخطا کی وہ کیفیت نہیں رہی جو پہلے تھی اس وقت ہمارے فقہائے کرام علم فلکیات کے ماہرین کے اندازوں کو کاملاً درست تسلیم نہیں کرتے تھے اس لئے ان پر مدار رؤیت ممکن نہ تھا۔ اس وقت تک اس باب میں سائنسی تحقیقات ومعلومات خود بلوغ وکمال اور فلکیاتی حساب میں حتمیت وقطعیت کے مقام تک نہ پہنچی تھیں مگر اب صورتحال یکسر بدل چکی ہے اب علم ہیئت وفلکیات حساب کے درجہ میں ''علم یقین'' میں بدل چکا ہے۔ علم فلکیات میں رؤیت ہلال کی پیشن گوئی کے لئے تاریخی لحاظ سے اب تک تین مختلف ضابطے معروض وجود میں آئے ہیں۔

۱۔ قدیم ضابطہ (دورِ بابل کا پیمانہ)

اس ضابطہ کے مطابق رؤیت ہلال کی پیشن گوئی کے لئے درج ذیل دو پیمانے استعمال ہوتے تھے:

۱۔ چاند کی عمر......قران (ولادت قمر) سے وقت رؤیت تک ہلال کی عمر کیا ہوگی؟

۲۔ غروب آفتاب (Sun set) سے غروب ماہتاب (Moon set) تک کتنا وقت Lag time درمیان میں ہو گا؟ گویا چاند غروب آفتاب کے کتنی دیر بعد غروب ہوگا؟ اسے Criteria Anciant کہتے ہیں۔

۲۔ وسطی ضابطہ (دورِ اسلام کا پیمانہ)

اس دور کا رؤیت ہلال کی پیشن گوئی کا پیمانہ جو 8ویں صدی عیسوی سے تاحال رائج اور متداول رہا ہے، یہ

ہے کہ وقت رؤیت چاند کے سورج سے فاصلے کا زاویہ معلوم کیا جائے اسے Medieval Islamic Criteria کہا جاتا ہے۔

۳۔ جدید ضابطہ (دورِ مغرب کا پیمانہ)

موجودہ دور کی جدید تحقیقات نے رؤیت ہلال کی درست پیشن گوئی کے لئے جو پیمانہ مقرر کیا ہے اس میں درج ذیل دو چیزیں معلوم کی جاتی ہیں:

۱۔ چاند کی غروب آفتاب کے وقت افق سے بلندی (Altitude) کتنی ہوگی؟

۲۔ چاند کا غروب آفتاب کے وقت افقی زاویہ (Azimuth) کیا ہوگا؟ اسے Modern Criteria کہتے ہیں۔ اس پیمانے پر تجربی اور علمی (Theoretical and Empirical) دونوں طریقوں سے کام ہو رہا ہے تاہم فلکیاتی رصدگار (Observatory Astronomical) اور فلکیاتی المانک (Astronomical Almanac) سے مذکورہ بالا جملہ پیمانوں کے مطابق مطلوبہ تمام معلومات بآسانی حتمی اور قطعی طور پر حاصل ہو جاتی ہیں اور انہی کے ذریعے ہی قران یعنی نئے چاند کی ولادت اور اس کے بعد رؤیت ہلال (Crescent Visibility) کے امکان یا عدم اِمکان کا علم حاصل ہوتا ہے۔

ہمارا بنیادی مؤقف

قرآن و حدیث، لغتِ عرب اور سائنسی تحقیقات کی مدد سے رؤیتِ ہلال پر ضروری بحث کے بعد اَب ہم اُمت کے وسیع تر مفاد میں اپنا بنیادی مؤقف پیش کرتے ہیں۔ رؤیتِ ہلال کے ضمن میں ہمارا بنیادی مؤقف یہ ہے کہ

i- اُمت کے وسیع تر مفاد میں 'رؤیت بالحساب' پر عمل کیا جائے، 'رؤیت بالبصر' پر ضد نہ ہو۔

ii- بعد اَزاں Moon Altitude، Elongation اور Lag Time (غروبِ آفتاب و ماہتاب میں وقفہ) وغیرہ میں سے جس پر بھی قوم متفق ہو اور بڑے ممالک اور علماء جس مؤقف کو بھی اپنا لیں وہی برحق ہے، اسی پر اِجماع کر لیا جائے تا کہ اِتحادِ اُمت کا مظاہرہ ہو۔ اصلِ مدعا یہ ہے کہ وحدت ہو اور اُمتِ مسلمہ اَغیار میں تماشہ نہ بنے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ Moon Altitude، Elongation اور Lag Time (غروبِ آفتاب و ماہتاب

میں وقفہ) وغیرہ کی کم سے کم حد پر اِجماع کی صورت پیدا کی جائے، کیونکہ اِن میں سے کسی کی حد زیادہ مقرر کرنے کی صورت میں کبھی قِران (Conjunction) کے بعد یکم تاریخ میں تین دن کا فاصلہ بھی آ سکتا ہے، اور اُس صورت میں ممکن ہے کہ کبھی چاند ضابطے کے تحت طے ہونے والے دن سے ایک دن پہلے نظر آ جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ کم سے کم حد پر اِتفاقِ رائے ہو۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ 'رُؤیت بالحساب' کے جس ضابطے پر کثیر مسلمانانِ عالم متفق رائے اِختیار کر لیں اُس پر اِجماع ہو جائے اور پوری دُنیا میں اُس پر عمل سے اِتحادِ اُمت کا مظاہرہ ہو اور یورپ اور امریکہ میں عام مسلمانوں کو مذاق کا نشانہ بننے سے بچایا جائے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 805)

37- ڈاروِن کا نظریہ اِرتقاء (Darwinism)

کرۂ ارضی پر پائے جانے والے اَدوارِ حیات میں سے اِس وقت ہم مرحلۂ حیاتِ جدید (Cenozoic Era) کے آخری حصے میں موجود ہیں، جسے سائنسی اِصطلاح میں 'ممالیہ جانوروں اور پرندوں کا دَور' کہا جاتا ہے۔ چارلس ڈاروِن کے مطابق نوعِ اِنسانی بھی دُوسرے بہت سے جانوروں کی طرح 'ممالیہ گروپ' سے تعلق رکھتی ہے۔ جب سے ڈاروِن کے مفروضۂ اِرتقاء نے نوعِ اِنسانی کو بوزنہ (ape) ہی کی ایک ترقی یافتہ شکل قرار دیا ہے تب سے موجودہ دَور کو 'ممالیہ جانوروں اور پرندوں کا دَور' کہا جانے لگا ہے اور اِس ضمن میں اِنسان کا الگ سے ذِکر نہیں کیا جاتا۔ تاہم قرآنِ مجید نسلِ اِنسانی کو ''خَلْقِ آخر'' (ممیّز مخلوق) کہہ کر پکارتا ہے اور اُسے ''أَحْسَنِ تَقْوِيم'' (بہترین بناوَٹ) قرار دیتا ہے، لہٰذا اِس دور کو 'جانوروں، پرندوں اور اِنسانوں کا دَور' کہا جانا چاہیئے۔ یہ بات بھی ذِہن نشین رہے کہ جانور، پرندے اور اِنسان، تینوں مخلوقات ایک ہی دَور میں ظہور پذیر ہوئیں۔ قرآنِ حکیم بھی ایک مقام پر اِسی مفہوم میں یوں فرماتا ہے:

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْأَرْضِ وَ لاَ طَآئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلاَّ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ.

(الانعام، ۶:۳۸)

اور (اے اِنسانو!) کوئی بھی چلنے پھرنے والا (جانور) اور پرندہ جو اپنے دو بازوؤں سے اُڑتا ہو (ایسا) نہیں

ہے مگر یہ کہ (بہت سی صفات میں) وہ سب تمہارے ہی مماثل طبقات ہیں۔

نظریہ اِرتقاء کا اِنحصار اِنسان اور دیگر جانوروں کے مابین پائی جانے والی کچھ مماثلتوں پر ہے، جو حقیقت میں محض مماثلتیں ہی ہیں اور اُن سے وہ نتائج اَخذ کرنا جو اُنہوں نے کئے کسی طرح بھی دُرُست نہیں۔ حیاتیاتی، عضوی یا ترکیبی، حیاتی، کیمیائی اور جینیاتی مماثلتیں جو طویل سائنسی تحقیقات کی بدولت دریافت کی گئی ہیں، قرآنِ مجید نے آج سے 14 صدیاں قبل اِن کا ذِکر سورۂ اَنعام کی آیت نمبر 38 میں کر دیا تھا۔ ''أَمْثَالُكُمْ'' (تمہارے جیسی) کا لفظ جانوروں، پرندوں اور اِنسانوں کے مابین مختلف اَقسام کی مماثلتوں کی طرف واضح اِشارہ کر رہا ہے، جس سے کلامِ الٰہی کی صداقت اور حقیقت آشکار ہوتی ہے۔ تاہم قرآنِ حکیم اُن مماثلتوں سے لئے جانے والے بیہودہ ڈاروِنی اِستدلال سے ہرگز اِتفاق نہیں کرتا اور نہ تمام کے تمام سائنسدان اِس سے اِتفاق کرتے ہیں۔ اِس کے علاوہ خود ساختہ نظریۂ اِرتقائے حیات کے حاملین اپنے اِس مَن گھڑت فرسودہ مفروضے کو قطعی طور پر ثابت بھی نہیں کر سکے۔ وہ اپنے مفروضے میں موجود تسلسل کے فقدان سے بھی بخوبی آگاہ ہیں۔ اس عدم تسلسل کو وہ 'گمشدہ کڑیاں' (missing links) کہتے ہیں۔ اُن بہت سی گمشدہ کڑیوں کے باوصف مفروضۂ اِرتقاء کی بہت سی خلطِ مبحث اور متضاد تعبیرات کی جاتی ہیں اور کوئی بھی متفقہ نظریہ منظرِ عام پر نہیں آ سکا۔

یہاں ہم پر یہ حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے کہ سائنسی تحقیقات کے وہ گوشے جو قرآنی تصورات سے ہم آہنگ ہیں، وہ بالکل فطری انداز میں منتج ہوتے ہیں اور سائنس اُس منزل تک پہنچنے میں بآسانی کامیاب ہو جائے گی۔ دُوسری طرف تمام وہ تصورات جو قرآنی تعلیمات سے متعارِض ہوں کبھی بھی تذبذب اور شکوک و شبہات سے نہیں نکل سکتے اور اُن میں اِبہام و اِلتباس ہمیشہ برقرار رہے گا اور کوئی حتمی اور قطعی نتیجہ بھی برآمد نہ ہو پائے گا۔ یہی حالت مفروضۂ ارتقاء کی بھی ہے۔

چارلس ڈاروِن (Charles Darwin) نے آج سے تقریباً ایک سو سال قبل کیمبرج یونیورسٹی کے کرائسٹ کالج (Christ's Collage) سے گریجویشن کی ڈگری حاصل کی۔ اِس سے پہلے اُسے علمِ حیاتیات (biology) یا علمُ الطب (medical science) کا کوئی خاص تجربہ نہ تھا۔ اُس نے یہ دعویٰ کیا کہ اِنسان ایک جانور تھا جس کا اِرتقاء 'یک خلوِی جسیمے' (unicellular organism) سے ہوا اور وہ بوزنہ (ape) سے پروان چڑھا ہے۔ بہت سے سائنسدان بلا سوچے سمجھے اُس کی باتوں میں آ گئے اور اُس کے ہم نوا بن بیٹھے، اور یوں جلد ہی اِرتقاء کا یہ اَفسانہ

اپنی پوری رفتار کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ مفروضہ کئی سال تک دُنیا بھر کے تمام تعلیمی اِداروں میں اِس طرح پڑھایا جاتا رہا جیسے یہ واقعی کوئی سائنسی حقیقت ہو، حالانکہ سائنسی تحقیقات سے اُس کا دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

دورِ جدید کے ایک سائنسدان ڈُواں گِش (Duane Gish) کے بقول اِرتقاء...... اِنسان کا جانور کی ترقی یافتہ قسم ہونا...... محض ایک فلسفیانہ خیال ہے، جس کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں ہے۔ آر بی گولڈسمتھ (R. B. Goldschmidt) جو بیالوجی کا ایک پروفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ مفروضۂ اِرتقاء کا پُرزور حامی بھی ہے، اِس حد تک ضرور دیانتدار ہے کہ اُس نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اِرتقاء کے حق میں تمام تر شکوک و شبہات سے بالا تر کوئی شہادت میسر نہیں آ سکی اور یہ محض تصوّرات کا ایک تانہ بانہ ہے۔

سائنسی علوم سے نابلد لوگ اِس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ ڈاروِنزم اور نیوڈاروِنزم کے خلاف سائنسی شہادتوں کے اَنبار لگتے چلے جا رہے ہیں۔ اِس قسم کے نظریات باطل اور فرسودہ سوچ کے حامل گمراہ لوگوں کے لئے ہمیشہ سے پسندیدہ مشاغل رہے ہیں، جو محض شہرت کی خاطر بلاتحقیق ایسے ایشوز پیدا کرتے رہتے ہیں جن کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ پچھلے چند برسوں سے اِس مفروضہ کے خلاف تنقید میں بڑے بڑے ماہرینِ حیاتیات کا بھرپور اِضافہ ہوا ہے۔ جیریمی رِفکن (Jeremy Rifkin) نے اپنے مقالات میں اِس حقیقت کا اِنکشاف کیا ہے کہ علمِ حیاتیات (biology) اور علمِ حیوانات (zoology) کے بہت سے تسلیم شدہ محققین مثلاً سی ایچ واڈنگٹن (C. H. Waddington)، پائرے پال گریس (Pierre-Paul Grasse) اور سٹیفن جے گولڈ (Stephen J. Gold) وغیرہ نے مفروضۂ اِرتقاء کے حامی نیم خواندہ جھوٹے سائنسدانوں کے جھوٹ کو طشت اَز بام کر دیا ہے۔

پروفیسر گولڈسمتھ (Prof. Goldschmidt) اور پروفیسر میکبتھ (Prof. Macbeth) نے دوٹوک انداز میں واضح کر دیا ہے کہ مفروضۂ اِرتقاء کا کوئی سائنسی ثبوت نہیں ہے۔ اِس نظریئے کے پس منظر میں یہ حقیقت کارفرما ہے کہ نیم سائنسدانوں نے اُوٹ پٹانگ طریقوں سے خود ساختہ سائنس کو اِختیار کیا ہے اور اپنی مرضی کے نتائج اَخذ کئے ہیں۔ مفروضۂ اِرتقاء کے حق میں چھپوائی گئی بہت سی تصاویر بھی جعلی اور مَن گھڑت ہیں۔

اگرچہ دُنیا کے مشہور و معروف عیسائی اور یہودی سائنسدان مفروضۂ اِرتقاء کو برحق نہیں جانتے مگر اِس کے باوُجود وہ اِس گندے کھیل میں خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں، کیونکہ سولہویں صدی کے کلیسائی مظالم کا بدلہ لینے کا تصور اُنہیں حقائق کو مسخ کرنے کا جواز بخشتا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ دُنیا میں کوئی جانور بھی اِرتقائی عمل کی پیداوار نہیں، یہ محض ایک

تصوراتی اور فلسفیانہ مفروضہ ہے۔ دُوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ سائنس کے نام پر اِنسان کی اس خودساختہ اَصل سے متعلق جو دعوے کئے جاتے ہیں سب کے سب جھوٹے ہیں۔ اِنسان کی اَصل کے متعلق ہنوز کوئی سائنسی ثبوت میسر نہیں آ سکا۔ تب پھر اِنسان کی اَصل کیا ہے؟ ہم اِس سوال کا جواب قرآنِ مجید کی رَوشنی میں دیں گے۔ اِرشادِ ربانی ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِیْ أَحْسَنِ تَقْوِیْمٍO (التین،۹۵:۴)

بیشک ہم نے اِنسان کو بہترین (اِعتدال اور توازُن والی) ساخت میں پیدا فرمایا ہےo

اِس آیتِ کریمہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اِنسان ایک الگ مخلوق کے طور پر معرضِ وُجود میں آیا ہے اور یہ کسی دُوسری مخلوق سے اِرتقاء کے نتیجے میں ظاہر نہیں ہوا۔ اِنسان کی تخلیق ’’خلقِ آخر‘‘ ہونے کے ناتے تخلیقِ خاص (special creation) ہے، جسے اللہ ربُّ العزت نے ایک مناسب وقت پر تخلیق کیا۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ’’اِسلام اور جدید سائنس‘‘)

38- وضو سے حفظانِ صحت

نماز ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے، ایک مسلمان جب دن میں پانچ بار اللہ کے حضور نماز ادا کرتا ہے تو وہ اُس سے پہلے وضو کرتا ہے، جس سے اُسے بدنی طہارت حاصل ہوتی ہے۔ نماز سے پہلے وضو کرنا فرض ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ أَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ أَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ.

(المائدہ، 5 : 6)

’’تو (وضو کے لئے) اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں (بھی) ٹخنوں سمیت (دھولو)۔‘‘

وضو حفظانِ صحت کے زرّیں اُصولوں میں سے ہے۔ یہ روزمرہ کی زندگی میں جراثیم کے خلاف ایک بہت بڑی ڈھال ہے۔ بہت سی بیماریاں صرف جراثیموں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ جراثیم ہمیں چاروں طرف سے گھیرے

ہوئے ہیں۔ ہوا، زمین اور ہمارے اِستعمال کی ہر چیز پر یہ موذی مسلط ہیں۔

جسمِ انسانی کی حیثیت ایک قلعے کی سی ہے۔ اللہ تعالی نے ہماری جلد کی ساخت کچھ ایسی تدبیر سے بنائی ہے کہ جراثیم اُس میں سے ہمارے بدن میں داخل نہیں ہو سکتے، البتہ جلد پر ہو جانے والے زخم اور منہ اور ناک کے سوراخ ہر وقت جراثیم کی زد میں رہتے ہیں۔ اللہ ربّ العزت نے وضو کے ذریعے نہ صرف اُن سوراخوں کو بلکہ جسم کے ہر اُس حصے کو جو عام طور پر کپڑوں میں ڈھکا ہوا نہیں ہوتا اور آسانی سے جراثیم کی آماجگاہ بن سکتا ہے، دن میں پانچ بار دھونے کا حکم فرمایا۔

انسانی جسم میں ناک اور منہ ایسے اَعضاء ہیں، جن کے ذریعے جراثیم سانس اور کھانے کے ساتھ آسانی سے اِنسانی جسم میں داخل ہو سکتے ہیں، لہٰذا گلے کی صفائی کے لئے غرارہ کرنے کا حکم دیا اور ناک کو اندر ہڈی تک گیلا کرنے کا حکم دیا۔ بعض اَوقات جراثیم ناک میں داخل ہو کر اندر کے بالوں سے چمٹ جاتے ہیں اور اگر دن میں پانچ بار اُسے دھونے کا عمل نہ ہو تو ہم صاف ہوا سے بھرپور سانس بھی نہیں لے سکتے۔ اُس کے بعد چہرے کو تین بار دھونے کی تلقین فرمائی ہے تاکہ ٹھنڈا پانی مسلسل آنکھوں پر پڑتا رہے اور آنکھیں جملہ اَمراض سے محفوظ رہیں۔ اِسی طرح بازو اور پاؤں کے دھونے میں بھی کئی طبی فوائد پنہاں ہیں۔

وضو ہمارے بے شمار اَمراض کا ازخود علاج کر دیتا ہے کہ جن کے پیدا ہونے کا ہمیں اِحساس تک نہیں ہوتا۔ طہارت کے باب میں طبِ جدید جن تصورات کو واضح کرتی ہے اِسلام نے اُنہیں عملاً تصورِ طہارت میں سمو دیا ہے۔ اور یہ سب تعلیمات اِسلام نے ہمیں اُس دور میں دیں جب شرق تا غرب کسی ملک اور کسی تہذیب میں صفائی کا شعور بیدار نہیں ہوا تھا۔ اِسلام ہی وہ دین ہے جس نے اِنسانیت کو صاف ستھرا رہنے کی ترغیب دی۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ”اِسلام اور جدید سائنس“)

39- نماز کے طبی فوائد

نماز اَرکانِ اِسلام میں توحید و رسالت کی شہادت کے بعد سب سے بڑا رُکن ہے۔ نماز کی رُوحانی و اِیمانی برکات اپنی جگہ مسلّم ہیں، یہاں ہم اس کے طبی فوائد پر روشنی ڈالیں گے۔ نماز سے بہتر ہلکی پھلکی اور مسلسل ورزش کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔ فزیوتھراپی کے ماہرین (physiotherapists) کہتے ہیں کہ اُس ورزش کا کوئی فائدہ نہیں

جس میں تسلسل نہ ہو یا وہ اِتنی زیادہ کی جائے کہ جسم بری طرح تھک جائے۔ اللہ ربّ العزت نے اپنی عبادت کے طور پر وہ عمل عطا کیا کہ جس میں ورزش اور فزیوتھراپی کی غالباً تمام صورتیں بہتر صورت میں پائی جاتی ہیں۔

ایک مؤمن کی نماز جہاں اُسے مکمل رُوحانی و جسمانی منافع کا پیکیج مہیا کرتی ہے وہاں منافقوں کی علامات میں ایک علامت اُن کی نماز میں سستی و کاہلی بھی بیان کی گئی ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ إِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى. (النساء ۴: ۱۴۲)

''اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سُستی کے ساتھ کھڑے (ہوتے ہیں)۔''

تعدیلِ اَرکان کے بغیر ڈھیلے ڈھالے طریقے پر نماز پڑھنے کا کوئی رُوحانی فائدہ ہے اور نہ طبی و جسمانی، جبکہ درست طریقے سے نماز کی ادائیگی کولیسٹرول لیول کو اِعتدال میں رکھنے کا ایک مستقل اور متوازن ذریعہ ہے۔ قرآنی اَحکامات کی مزید توضیح سرکارِ مدینہ ﷺ کی اِس حدیثِ مبارکہ سے بھی ہوتی ہے:

فإنّ فی الصلٰوةِ شِفاءٌ. (سنن ابن ماجه: ۳۴۵۸)

''بیشک نماز میں شفاء ہے۔''

جدید سائنسی پیش رفت کے مطابق وہ چربی جو شریانوں میں جم جاتی ہے رفتہ رفتہ ہماری شریانوں کو تنگ کر دیتی ہے اور اُس کے نتیجہ میں بلڈ پریشر، اَمراضِ قلب اور فالج جیسی مہلک بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ عام طور پر اِنسانی بدن میں کولیسٹرول کی مقدار 150 سے 250 ملی گرام کے درمیان ہوتی ہے۔ کھانا کھانے کے بعد ہمارے خون میں اُس کی مقدار اچانک بڑھ جاتی ہے۔ کولیسٹرول کو جمنے سے پہلے تحلیل کرنے کا ایک سادہ اور فطری طریقہ اللہ تعالیٰ نے نمازِ پنجگانہ کی صورت میں عطا کیا ہے۔ دن بھر میں ایک مسلمان پر فرض کی گئی پانچ نمازوں میں سے تین یعنی فجر (صبح)، عصر (سہ پہر) اور مغرب (غروبِ آفتاب) ایسے اوقات میں ادا کی جاتی ہیں جب انسانی معدہ عام طور پر خالی ہوتا ہے، چنانچہ ان نمازوں کی رکعات کم رکھی گئیں۔ جبکہ دُوسری طرف نمازِ ظہر اور نمازِ عشاء عام طور پر کھانے کے بعد ادا کی جاتی ہیں، اِس لئے اُن کی رکعتیں بالترتیب بارہ اور سترہ رکھیں تاکہ کولیسٹرول کی زیادہ مقدار کو حل کیا جائے۔ رمضانُ المبارک میں اِفطار کے بعد عام طور پر کھانے اور مشروبات کی نسبتاً زیادہ مقدار کے اِستعمال سے بدن میں کولیسٹرول کی مقدار عام دنوں سے غیرمعمولی حد تک بڑھ جاتی ہے، اِس لئے عشاء کی سترہ رکعات کے ساتھ بیس

رکعات نمازِ تراویح بھی رکھی۔

نماز کے ذریعے کولیسٹرول لیول کو اِعتدال میں رکھنے کی حکمت دورِجدید کی تحقیقات ہی کے ذریعے سامنے نہیں آئی بلکہ اِس بارے میں تاجدارِ حکمت ﷺ کی حدیثِ مبارکہ بھی نہایت اہمیت کی حامل ہے۔حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

أذِیبوا طعامَکم بذکرِ اللهِ وَالصلوٰةِ (المعجم الأوسط، ۵ : ۵۰۰، رقم: ۴۹۴۹)

''اپنی خوراک (کے کولیسٹرول) کو اللہ کی یاد اور نماز کی ادائیگی سے حل کرو۔''

اگر ہم رسولِ اکرم ﷺ کے اِرشاد اور عمل کے مطابق صحیح طریق پر پنج وقتی نماز ادا کریں تو جسم کا کوئی عضو ایسا نہیں جس کی اَحسن طریقے سے ہلکی پھلکی ورزش نہ ہو جائے۔ نماز کی مختلف حالتوں میں جو ورزش ہوتی ہے اُس کی تفصیل درج ذیل ہے:

تکبیرِتحریمہ کے دوران نیت باندھتے وقت کہنی کے سامنے کے عضلات اور کندھے کے جوڑوں کے عضلات حصہ لیتے ہیں۔

قیام کے لئے ہاتھ باندھتے وقت کہنی کے آگے کھنچنے والے پٹھے اور کلائی کے آگے اور پیچھے کھنچنے والے پٹھے حصہ لیتے ہیں جبکہ جسم کے باقی پٹھے سیدھا کھڑے ہونے کی وجہ سے اپنا معمول کا کام ادا کرتے ہیں۔

رکوع کی حالت میں جسم کے تمام پٹھے ورزش میں حصہ لیتے ہیں۔ اُس میں کولہے کے جوڑ پر جھکاؤ ہوتا ہے جبکہ گھٹنے کے جوڑ سیدھی حالت میں ہوتے ہیں۔ کہنیاں سیدھی کھنچی ہوئی ہوتی ہیں اور کلائی بھی سیدھی ہوتی ہے جبکہ پیٹ اور کمر کے پٹھے، جھکنے اور سیدھے ہوتے وقت کام کرتے ہیں۔

سجدے میں کولہوں، گھٹنوں، ٹخنوں اور کہنیوں پر جھکاؤ ہوتا ہے جبکہ ٹانگوں و رانوں کے پیچھے کے پٹھے اور کمر و پیٹ کے پٹھے کھنچے ہوئے ہوتے ہیں اور کندھے کے جوڑ کے پٹھے اس کو باہر کی طرف کھینچتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ کلائی کے پیچھے کے عضلات بھی کھنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ سجدے میں مردوں کے برخلاف عورتوں کے لئے گھٹنوں کو چھاتی سے لگانا طبی نکتہ نظر سے نہایت احسن ہے، یہ بچہ دانی کے پیچھے گرنے کے عارضے کا بہترین علاج ہے۔ سجدہ دل و دماغ کو خون کی فراہمی کے لئے نہایت ہی موزوں عمل ہے۔

تشہد میں التحیات کی صورت میں گھٹنے اور کولہے پر جھکاؤ ہوتا ہے، ٹخنے اور پاؤں کے عضلات پیچھے کھنچے ہوئے ہوتے ہیں، کمر اور گردن کے پٹھے بھی کھنچے ہوئے ہوتے ہیں۔

سلام پھیرتے وقت گردن کے دائیں اور بائیں طرف کے پٹھے کام کرتے ہیں۔

ہم نے دیکھا کہ سنتِ نبوی کی پیروِی میں دُرست طریقے سے نماز ادا کرنے کی صورت میں اِنسانی بدن کا ہر عضو ایک قسم کی ہلکی پھلکی ورزش میں حصہ لیتا ہے جو اُس کی عمومی صحت کے لئے مفید ہے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ”اِسلام اور جدید سائنس“)

40- کم خوری اور متوازن غذا

طبی تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ دل کی زیادہ تر بیماریاں معدے سے جنم لیتی ہیں۔ کوئی شخص جتنی زیادہ غذا کھاتا ہے اُتنی ہی زیادہ بیماریوں کو مول لیتا ہے، جبکہ زائد کھانے سے اِجتناب دل کے اَمراض سے بچاؤ میں بہت مددگار ثابت ہوتا ہے۔ زیادہ خوراک کھانے کی عادت اِنسانی صحت پر بری طرح اثرانداز ہوتی ہیں۔ اِسی لئے اِسلام نے ہمیشہ بھوک رکھ کر کھانے اور متوازن غذا کھانے کے متعلق سختی سے اَحکامات صادِر فرمائے ہیں۔

ایک وقت میں خوراک کی زیادہ مقدار کھا جانا یا ہر روز بھاری ناشتہ کرنا یا روزانہ دوپہر کا بھرپور کھانا، شام کا بھرپور کھانا، اچھی صحت کے لئے ضروری خوراک سے کافی زیادہ ہے۔ روزانہ دن میں تین وقت کا بھرپور کھانا، خاص طور پر زیادہ کیلوریز پر مشتمل خوراک اور سیرشدہ چکنائیاں نہ صرف صحت کے لئے سخت نقصان دِہ ہیں بلکہ اَمراضِ قلب اور دُوسری بہت سی خطرناک بیماریوں مثلاً ہائی بلڈ پریشر اور شوگر وغیرہ کا سبب بھی بنتا ہے۔

قرآنِ مجید نے متوازن غذا کی عادت کو برقرار رکھنے کے لئے خوراک کے زائد اِستعمال سے دُور رہنے کی سختی سے تلقین کی ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (الاعراف، ۷: ۳۱)

”کھاؤ اور پیؤ اور ضائع مت کرو اور اللہ اِسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا“

قرآنِ مجید اِفراط و تفریط سے بچا کر معتدل خوراک کی بات کر رہا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اِسی بات کو

تشبیہاً اِس انداز میں بیان فرمایا ہے:

إنّ المؤمنَ یأکلُ فی معيٍ واحدٍ، وَ الکافر یأکلُ فی سبعة أمعاء. (صحیح بخاری، ۲ : ۸۱۲)

''مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں اِستعارے کی زبان اِستعمال کرتے ہوئے کتنے خوبصورت انداز میں زیادہ کھانے کو کفّار کا عمل قرار دے کر اُس سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ ایک اور حدیثِ مبارکہ میں بسیارخوری کو اللہ کی ناپسندیدگی قرار دیتے ہوئے مزید فرمایا:

إنّ اللہَ یبغض الأ کلَ فوق شبعهٖ. (کنزالعمال: ۴۴۰۲۹)

''اللہ تعالیٰ بھوک سے زیادہ کھانے والے کونفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔''

بسیارخوری بیماری کی جڑ ہے، اِس لئے اِس کا مکمل خاتمہ ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِسلام نے اِسے سختی سے ناپسند کیا ہے۔ تاجدارِ حکمت ﷺ کا فرمان ہے:

أکثر الناسِ شبعاً فی الدُّنیا أطولھم جوعاً یومَ القیامةِ. (سنن ابن ماجه: ۲۴۸)

''جوشخص دُنیا میں جتنی زیادہ شکم پروری کرے گا قیامت کے روز اُسے اُتنا ہی لمبا عرصہ بھوکا رہنا پڑے گا۔''

اِسی طرح نبی اکرم ﷺ نے مزید اِرشاد فرمایا:

حسب الآدمی لقیمات، یقمن صلبهٗ، فإنْ غلبت الآدمی نفسهٗ فثلاث للطعامِ و ثلاث للشراب و ثلاث للنفس.

''اِنسان کی کمر سیدھی رکھنے کے لئے چند لقمے ہی کافی ہیں اور اگر زیادہ کھانے کو دل چاہے تو یاد رکھو کہ معدہ کا ایک تہائی حصہ کھانے کے لئے اور ایک تہائی مشروبات کے لئے (اِستعمال کرو) اور ایک تہائی سانس لینے (میں آسانی) کے لئے چھوڑ دو۔'' (سنن ابن ماجه: ۲۴۸)

کثرتِ طعام ذیابیطس (شوگر) جیسے مہلک مرض کا باعث بھی بنتی ہے، جس کی اصل وجہ لبلبے کے ہارمون یعنی اندرونی رطوبت انسولین کی کمی ہے۔ زیادہ خوراک کھانے کی وجہ سے لبلبے کو زیادہ کام کرنا پڑتا ہے اور بار بار ایسا ہونے

سے لبلبے کے خلئے تھک جاتے ہیں اور کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ انسولین کی کمی کا ایک بڑا سبب بسیارخوری بھی ہے۔ ذیابیطس اُم الامراض ہے جس کی موجودگی میں بڑے اَمراض بلڈ پریشر، فالج اور اَمراضِ قلب کے حملہ آور ہونے کا تناسب بڑھ جاتا ہے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ''اِسلام اور جدید سائنس'')

41- اِسلام کی تجویز کردہ غذاؤں کے طبی فوائد

اچھی صحت کو برقرار رکھنے کے لئے بنیادی شے خوراک کی مقدار نہیں بلکہ ایسی خوراک کا چناؤ ہے جو متوازن ہو اور تمام جسمانی ضروریات کو بہتر طور پر پورا کر سکے۔ کھانا کھاتے وقت اگر ہم اِس بات کو ملحوظِ خاطر رکھیں تو بہت سے اَمراض سے بچ سکتے ہیں۔ حلال غذائیں یوں تو بے شمار ہیں مگر اُن میں چند ایک ہی ایسی ہیں جن کی ترغیب قرآن وسنت سے ملتی ہے اور وُہی غذائیں اِنسانی جسم کے لئے حیرت انگیز حد تک مفید ہیں۔

عام آدمی کو روزانہ جتنی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے وہ یہ ہے:

حرارے (calories)	2900 کیلوریز عام اوسط مردوں کیلئے، 2200 کیلوریز اوسط خواتین کے لئے
نشاستہ (carbohydrates)	400 گرام
نمکیات (minerals)	سوڈیم کلورائیڈ، کیلشیم، پوٹاشیم، آئرن، سلفر، فاسفورس، اور آیوڈین کی شکل میں۔
لحمیات (proteins)	کم از کم 45 گرام
حیاتین (Vitamins)	وٹامن A، وٹامن B^1، B^2، B^6، B^{12}، وٹامن C، وٹامن D اور وٹامن E
چکنائیاں (fats)	صرف اتنی مقدار جتنی توانائی کے لئے جلائی جا سکے
پانی (water)	خالص اور جراثیم سے پاک، یہ جسم کے 66% حصہ پر مشتمل ہوتا ہے۔

ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ویسے تو تمام حلال غذائیں اِستعمال کرنا جائز ہے مگر قرآن وسنت کی تعلیمات ہمیں بعض غذاؤں سے متعلق خاص ہدایات دیتی دِکھائی دیتی ہیں۔

گوشت (Meat)

گوشت اِنسانی خوراک کا ایک نہایت اہم حصہ ہے۔ بعض جانوروں کا گوشت عام انسانی صحت کے لئے مفید ہے، جبکہ دوسرے بعض جانوروں کا گوشت کچھ مضر ہے۔ دیگر جانوروں کا گوشت مکمل طور پر نقصان دہ بھی ہے۔ جن جانوروں کا گوشت کسی طور پر انسان کے لئے مناسب نہیں شریعت نے اُنہیں حرام قرار دیا ہے۔ جن کا گوشت قدرے غیرمفید ہے اُن کا اِستعمال اگرچہ روا رکھا ہے مگر اُسے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ جو جانور اپنے گوشت میں مضرات نہیں رکھتے اور صحتِ اِنسانی کے لئے مفید ہیں اُن کا گوشت کھانے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگرچہ شریعت میں چھوٹے اور بڑے دونوں قسم کے گوشت کو جائز قرار دیا گیا ہے لیکن سفید گوشت (یعنی مچھلی اور پرندوں وغیرہ کے گوشت) کو ترجیح دی گئی ہے۔ اُس میں چکنائی بہت کم ہوتی ہے اور اِس طرح وہ دِل کے لئے کسی نقصان کا باعث نہیں بنتا۔

گائے کا گوشت (Beef)

پیارے نبی ﷺ نے سرخ گوشت کے بارے میں اِرشاد فرمایا ہے:

عليكم بألبانِ البقر فإنّها شفاءٌ، و سمنها دواءٌ و لحومها داءٌ. (زاد المعاد، ۴: ۳۲۴)

’’گائے کا دودھ شفا ہے، اُس کے مکھن میں طبی فوائد ہیں، جبکہ اُس کے گوشت میں بیماری ہے۔‘‘

گائے کا گوشت جسے سرخ گوشت بھی کہتے ہیں، اُس میں کولیسٹرول کی بہت بڑی مقدار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جدید سائنسی تحقیقات سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ گائے کے گوشت میں ایک جرثومہ taenia saginate پایا جاتا ہے جو پیٹ کی بہت سی بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اَحادیثِ مبارکہ میں اُس کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

100 گرام گائے کے گوشت میں کیلوریز اور چکنائیوں کی یہ مقدار پائی جاتی ہے:

1- پکے ہوئے قیمے میں	229 حرارے	15.2 گرام چکنائیاں
2- پشت کے بھنے ہوئے ٹکڑے میں	246 حرارے	14.6 گرام چکنائیاں

3- کباب میں	218 حرارے	12.1 گرام چکنائیاں
4- روسٹ کئے ہوئے پٹھہ میں	284 حرارے	21.1 گرام چکنائیاں

چھوٹا گوشت (Mutton)

اِس میں بھی بہت زیادہ چکنائی ہوتی ہے، درج ذیل جدول میں دیکھئے کہ 100 گرام چھوٹے گوشت میں کیلوریز اور چکنائیوں کی مقدار یوں ہے:

1- ٹانگ کا بھنا ہوا گوشت	266 حرارے	17.9 گرام چکنائیاں
2- پشت کا بھنا ہوا گوشت	355 حرارے	29 گرام چکنائیاں
3- کباب (چربی کے بغیر گوشت)	222 حرارے	12.3 گرام چکنائیاں
4- بھنا ہوا چربی کے بغیر گوشت	191 حرارے	8.1 گرام چکنائیاں

چھوٹے گوشت میں گردن ایک ایسا عضو ہے جس میں چکنائی کی مقدار باقی بدن کی نسبت کافی کم ہوتی ہے۔ اسی لئے اس میں کچھ زیادہ کولیسٹرول نہیں ہوتا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے چھوٹے گوشت میں سے گردن کے گوشت کو تجویز کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

و كان أحبّ الشاةِ إلٰى رسول الله ﷺ مقدّمها و كل ما علا منه سوى الرأس كان أخفّ و أجود مما سفل. **(زاد المعاد، ۴: ۳۷۳)**

''رسول اللہ ﷺ کو بکری میں سب سے زیادہ اگلے حصے (گردن) کا گوشت پسند تھا اور جو کچھ سر کے علاوہ اگلے بدن میں ہے کیونکہ یہ حصہ خفیف (بوجھل پن سے پاک) ہوتا ہے اور پچھلے حصے کی نسبت عمدہ ہوتا ہے۔''

ماہرینِ غذا نے بھی بغیر چربی کے گوشت (lean) کو بہترین قرار دیا ہے کیونکہ اُس میں سیر شدہ چکنائی نسبتاً کم ہوتی ہے۔

سفید گوشت (White meat)

مچھلی اور پرندوں کے گوشت میں چونکہ نسبتاً کم چکنائی ہوتی ہے اِس لئے یہ کولیسٹرول کی مقدار کو کم کرتے ہیں

یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت میں اُس کی ترغیب دی گئی ہے۔ قرآنِ مجید نے پرندوں کے گوشت کو ''جنت کی خوراک'' قرار دیا ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لَحۡمِ طَیۡرٍ مِّمَّا یَشۡتَھُوۡنَ (الواقعہ، ۵۶ : ۲۱)

''اور اُنہیں پرندوں کا گوشت ملے گا، جتنا وہ چاہیں گے''

علاوہ ازیں نبی مکرم ﷺ نے گوناگوں غذائی اور طبی فوائد کی بنا پر ہی مچھلی کے گوشت کی خاص طور پر اِجازت عطا کی۔ سفید مچھلی میں چکنائی بہت کم ہوتی ہے جبکہ تیل والی مچھلی میں غیرسیرشدہ چکنائی کی بہت زیادہ مقدار ہوتی ہے جو کہ کولیسٹرول کے تناسب کو خود بخود کم کر دیتی ہے۔ اِس لئے اُس کا اِستعمال بھی اِنسانی صحت کے لئے مفید ہے۔

انجیر اور زیتون (Fig & Olive)

قرآنِ مجید میں انجیر اور زیتون کی اہمیت کو اللہ ربّ العزت نے قسم کھا کر اُجاگر کیا ہے، فرمایا:

وَ التِّیۡنِ وَ الزَّیۡتُوۡنِ (التین، ۹۵ : ۱)

''انجیر اور زیتون کی قسم''

انجیر سے کیلشیم، فاسفورس اور فولاد کے ضروری اجزاء کی بڑی مقدار حاصل ہوتی ہے لیکن اُس کی زیادہ مقدار ریشے (fibre) میں پائی جاتی ہے۔ یہ پھیپھڑوں اور چھاتی کو طاقت بخشتا ہے اور ذہنی وقلبی امراض کے علاج میں مدد دیتا ہے۔ چونکہ اُس میں ریشے کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اِس لئے غیرسیرشدہ چکنائی ہونے کے ناطے یہ کولیسٹرول کی مقدار کو کم کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کا اِستعمال دل کے مریض کے لئے بہت مفید ہے۔

قرآنی پھل ہونے کے ناطے زیتون بہت سے اَمراض میں مفید ہے۔ جو لوگ اپنی روزانہ خوراک میں کولیسٹرول کی کمی کرنا چاہتے ہیں اُن کے لئے زیتون کا تیل گھی کا بہترین متبادل ہے۔

100 گرام زیتون ان اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے:

کیلوریز

پروٹین	0.7 گرام
سیر شدہ چکنائیاں	1.2 گرام
غیر سیر شدہ چکنائیاں	1.0 گرام
غذائی ریشہ	35 گرام
مکمل چکنائی	8.8 گرام

جبکہ اِس میں کولیسٹرول کی مقدار صفر ہوتی ہے۔

چودہ صدیاں بیت جانے کے بعد آج کی جدید طب کی تحقیق یہ ہے کہ جمنے والی چیزوں بناسپتی گھی وغیرہ کو چھوڑ کر اُس کی جگہ تیل کو اِستعمال میں لایا جائے تا کہ اِنسانی جسم میں کولیسٹرول کی مقدار مقرّرہ حد سے تجاوز نہ کرے۔ اُن محققین و ماہرینِ طب کی نظر سے آقائے دوجہاں ﷺ کے فرمودات و اِرشادات کا یہ رُخ گزرے تو اُنہیں اِسلام کی حقانیت کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃُ والسلام نے چودہ سو سال قبل زیتون کی اِفادیت کا اِعلان فرما دیا تھا۔ آج زیتون کی یہ تحقیق ثابت ہو چکی کہ اَمراضِ قلب، انجائنا، بلڈ پریشر اور اَمراضِ سینہ وغیرہ میں زیتون کا تیل نہایت مفید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اٹلی میں دل کے اَمراض باقی دُنیا کی نسبت بہت کم ہوتے ہیں جس کا بڑا سبب یہ ہے کہ وہاں کے باشندے گھی اور مکھن جیسی چکنائیوں کی بجائے زیتون کا تیل کثرت سے اِستعمال کرتے ہیں۔

یہاں تاجدارِ رحمت و حکمت ﷺ کا یہ فرمان خاص طور پر قابلِ توجہ ہے:

إنّ عمر بن الخطاب قال، قال رسول الله ﷺ: ''كلوا الزيت وَ ادّهنُوا به، فإنّهُ مِن شجرةٍ مباركةٍ. **(جامع الترمذی، ۲ : ٦)**

''حضرت عمر بن خطابؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: تم روغنِ زیتون کو کھاؤ اور اُس کا بدن پر بیرونی اِستعمال بھی کرو کیونکہ وہ مبارک درخت سے ہے۔''

شہد (Honey)

شہد حفظانِ صحت کے لئے بہترین ٹانک ہے۔ قدرت نے اُس میں اِنسانی جسم کی تمام ضروریات و مقتضیات

کو یکجا کر دیا ہے۔ شہد کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہے:

فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ. (النحل، ۱۶ : ۶۹)

''اُس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔''

اِس ضمن میں رسولِ اکرم ﷺ کا اِرشادِ گرامی ہے:

علیکم بالشفائین، العسل و القرآن. (سنن ابن ماجه : ۲۵۵)

دو چیزیں شفا کے لئے بہت ضروری ہیں: (کتابوں میں) قرآن اور (اشیائے خوردنی میں) شہد۔

شہد نہ صرف حفظانِ صحت کے لئے مفید ہے بلکہ اُس میں بہت سی بیماریوں کا علاج بھی پایا جاتا ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ایک بیمار صحابی کا واقعہ بھی مذکور ہے جو نہایت موذی مرض میں مبتلا تھے اور اُنہیں شہد ہی سے اِفاقہ ہوا۔ حدیثِ مبارکہ کے الفاظ یوں ہیں:

عن أبی سعید، قال: جآء رجل إلی النبی ﷺ، فقال: ''إن أخی إستطلق بطنه''، فقال: ''اسقه عسلاً''، فسقاه، ثمّ جآء، فقال: ''یارسولَ الله! قد سقیتُه عسلاً فلم یزدُه إلا إستطلاقًا''، فقال رسول الله ﷺ: ''اسقه عسلاً''، قال فسقاه، ثم جآء، فقال: ''یارسول الله! إنی قد سقیتُه فلم یزده إلا إستطلاقا''، قال: فقال رسول الله ﷺ: ''صدق الله و کذب بطن أخیک، اسقه عسلاً''، فسقاهُ فبرأ. (جامع الترمذی، ۲ : ۲۹)

''ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ اُس کے بھائی کو اِسہال لگے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے اُس کے لئے شہد تجویز فرمایا۔ اُس شخص نے واپس آ کر بتایا کہ اِسہال زیادہ ہو گئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اُسے پھر شہد دو''۔ اِس طرح اُس بیمار کو تین مرتبہ شہد دیا گیا۔ چوتھی مرتبہ حضور ﷺ کو بتایا گیا کہ آرام نہیں آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خداوند تعالی نے شہد کے متعلق جو فرمایا ہے وہ دُرست ہے لیکن تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ چنانچہ بیمار کو پھر شہد دیا گیا اور وہ ٹھیک ہو گیا۔''

شہد کے اجزاء

امریکہ کے ایگریکلچر ڈیپارٹمنٹ کے بہت بڑے کیمسٹ 'ڈاکٹر سی اے براؤن' نے شہد میں موجود مندرجہ ذیل غذائی اَجزاء معلوم کئے ہیں:

1- پھلوں کی شکر	40 سے 50 فیصد
2- انگور کی شکر	34.2 فیصد
3- گنے کی شکر	1,9 فیصد
4- پانی	17.7 فیصد
5- گوند وغیرہ	1.5 فیصد
6- معدنیات	0.18 فیصد

شہد میں فولاد، تانبہ، میگنیز، کلورین، کیلشیم، پوٹاشیم، سوڈیم، فاسفورس، گندھک، ایلومینیم اور میگنیشیم بھی مناسب مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ کینیڈا کے سائنسدان کھلاڑیوں پر تجربات کے بعد اِس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ شہد کو عام قسم کی شکر پر مندرجہ ذیل فوقیتیں حاصل ہیں:

1- شہد معدے اور انتڑیوں کی جھلی میں خراش پیدا نہیں ہونے دیتا۔

2- یہ زُود ہضم ہے۔

3- اِس کا گُردوں پر کوئی مضر اثر نہیں ہے۔

4- یہ اَعصابِ ہضم پر بغیر بوجھ ڈالے حراروں کا بہترین سرچشمہ ہے۔

5- شہد تھکاوٹ کو بہت جلد دُور کرتا ہے اور اُسے باقاعدہ اِستعمال کرنے والا جلدی نہیں تھکتا۔

6- یہ کسی حد تک قبض کشا بھی ہے۔

انگور (Grapes)

قرآن اسے ''جنت کا پھل'' کہتے ہوئے اس کے استعمال کی یوں ترغیب دیتا ہے:

حَدَائِقَ وَ أَعۡنَابًا○ (النباء، ۷۸ : ۳۲)

’’(وہاں اُن کے لئے) باغات اور انگور (ہوں گے)○‘‘

حالیہ طبی تحقیق کے مطابق انگور کاربوہائیڈریٹس، فاسفورس، پوٹاشیم، کیلشیم اور خاص طور پر وٹامن اے کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے دل، جگر اور معدے کے لئے بہت ہی مفید ہے۔ یہ خاص طور پر دل و دماغ کی مختلف بیماریوں اور انتڑیوں کی بیماریوں میں بہت سودمند ہے۔

لہسن (Garlic)

قرآنِ حکیم نے سورۂ بقرہ میں لہسن کا ذِکر اِن الفاظ میں کیا ہے:

وَ فُوۡمِهَا. (البقرہ، ۲ : ۶۱)

’’اور اُس (زمین) کا لہسن‘‘

لہسن ایک ایسا مصالحہ ہے جو دل، دماغ، آنکھوں اور جسم کے دُوسرے حصوں کو طاقت دیتا ہے اور خاص طور پر جسم کو نقصان پہنچانے والے جراثیموں کو مارنے کے لئے جسم میں قوتِ مدافعت بڑھاتا ہے۔ جدید طبی تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ لہسن فالج، دمہ، ٹی بی اور جوڑوں کے درد میں بھی بہت مفید ہے۔ علاوہ ازیں اس میں جراثیم کش (antiseptic) خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ خصوصاً خون کے بڑھے ہوئے دباؤ (hypertension) پر قابو پانے میں اس کے خصوصی عمل کی وجہ سے سقوطِ قلب سے بچنے کے لئے مفید ہے۔

پیاز (Onion)

قرآن نے سورۂ بقرہ کی اِسی آیت میں پیاز کا ذِکر اِن الفاظ میں کیا ہے:

وَ بَصَلِهَا. (البقرة، ۲ : ۶۱)

’’اور اُس (زمین) کا پیاز‘‘

یہ پروٹین، کیلشیم، پوٹاشیم، سوڈیم، سلفر اور فولاد کا اہم ذریعہ ہے۔ 100 گرام پیاز درج ذیل اجزاء پر مشتمل

ہوتا ہے:

غذائی ریشہ (fiber)	1.3 گرام
حرارے (Calories)	23 گرام
لحمیات (proteines)	0.9 گرام
چینی (sugar)	5.2 گرام

پیاز میں خاص طور پر B^6 بھی پایا جاتا ہے، جو ٹی بی اور پھیپھڑوں کے ناسور کا سبب بننے والے جراثیموں اور مُضرِ صحت بیکٹیریا کے خاتمے میں بھی مفید ہے۔ اِس کی سب سے اہم خاصیت یہ ہے کہ یہ خون میں موجود کولیسٹرول کو حل کرنے میں مدد دیتا ہے اور اِس کے مستقل اِستعمال سے دِل کے دَورے کا خطرہ ممکنہ حد تک کم ہو جاتا ہے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ''اِسلام اور جدید سائنس'')

42- اِسلام کی ممنوع کردہ غذاؤں کے طبی نقصانات

اِسلامی تعلیمات میں خنزیر اور شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ان کے اِستعمال کی طبی نقصانات ملاحظہ فرمائیں:

خنزیر (Pork)

قرآنِ مجید نے سؤر کے گوشت کے اِستعمال سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ اِرشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ. (البقرہ، ۲ : ۱۷۳)

''اُس نے تم پر صرف مُردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذِبح کے وقت غیراللہ کا نام پکارا گیا ہو حرام کیا ہے۔''

بنی نوعِ انسان کے لئے اِسلام کے آفاقی اَحکامات میں پنہاں وسیع تر مفاد اور اُن کے دُور رس نتائج کے پیشِ نظر ہم بہت سے اَمراض سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔ اِسلام نے اِنسانی جسم و رُوح کو نقصان پہنچانے والی تمام اشیاء کے اِستعمال سے اپنے ماننے والوں کو سختی سے منع فرما دیا تاکہ وہ اُن کے مُضر اَثرات سے محفوظ رہ سکیں۔ حالیہ طبی تحقیق کے

نتیجہ میں یہ بات منظرِ عام پر آئی ہے کہ سؤر کے گوشت میں taenia solium اور trichinella spiralis دو کیڑے پائے جاتے ہیں جن میں سے اوّل الذکر مِرگی (epilepsy) جبکہ مؤخر الذکر ایک بیماری trichinosis کا باعث بنتا ہے۔

acute trichinosis کے مریض کو تیز جسمانی درجۂ حرارت سے سابقہ پیش آ سکتا ہے۔ اُس کے خون کا بہاؤ زہریلے مواد سے متاثر ہوسکتا ہے، جس کے نتیجے میں اُسے دِل اور نظامِ تنفس کا فالج بھی ہوسکتا ہے۔ یہ دِماغ اور جسم کے دُوسرے اَجزاء کی سوزش بھی پیدا کرتا ہے اور زبان، گردن، آنکھوں اور گلے وغیرہ کے اَعصاب کو بھی متاثر کرتا ہے۔

خنزیر کے گوشت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ موٹاپا پیدا کرنے والا ہوتا ہے۔ اُس میں بہت زیادہ حرارے اور چکنائی ہوتی ہے اور کولیسٹرول کی سطح بہت بلند ہوتی ہے۔ 100 گرام بڑے گوشت میں زیادہ سے زیادہ 284 کیلوریز ہوتی ہیں جبکہ سؤر کے گوشت میں زیادہ سے زیادہ 496 کیلوریز ہوتی ہیں، اِسی طرح بڑے گوشت میں چکنائی کی مقدار زیادہ سے زیادہ 21.1 فیصد ہوتی ہے جبکہ سؤر کے گوشت میں یہ مقدار زیادہ سے زیادہ 44.8 فیصد ہوتی ہے۔

اِسلام میں خنزیر کے گوشت کی ممانعت کی حکمت اَب امریکہ اور یورپ میں بھی مقبول ہو رہی ہے اور وہاں کے صحت شناس لوگ بالعموم اِسلام کی حلال کردہ اشیاء کو ترجیح دے رہے ہیں اور سؤر کا گوشت ترک کرتے چلے جا رہے ہیں۔

شراب (Drinking)

قرآنِ مجید میں اللہ ربّ العزت نے شراب کو کلیتًا حرام قرار دیا ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْأَنْصَابُ وَ الْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ (المائدہ، ۵: ۹۰)

’’اے ایمان والو! یقیناً شراب اور جوا اور (عبادت کے لئے) نصب کئے گئے بت اور (قسمت معلوم کرنے کیلئے) فال کے تیر (سب) ناپاک شیطانی کام ہیں، سوتم اُن سے (کلیتًا) پرہیز کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ○‘‘

تاجدارِ کائنات ﷺ کی یہ دونوں اَحادیثِ مبارکہ اِس آیتِ کریمہ کے شراب کی حرمت سے متعلقہ حصے کی بہترین تفسیر کرتی نظر آتی ہیں:

اِرشادِ نبوی ﷺ ہے:

کلّ مُسکرٍ خمرٌ و کل خمرٍ حرامٌ. (صحیح مسلم، ۲ : ۱۶۸)

''ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر شراب حرام ہے۔''

مزید فرمایا:

ما أسکرَ کثیرُهُ فقلیلُهُ حرامٌ. (جامع الترمذی، ۲ : ۹)

''جس شے کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کرے اُس کی تھوڑی مقدار کا اِستعمال بھی حرام ہے۔''

شراب جسم کو حرارے (کیلوریز) تو مہیا کرتی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ جسمانی نشوونما کے لئے ضروری وٹامنز اور امائنو ایسڈز (amino acids) مہیا کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ چنانچہ جسم میں خلیوں کی تخریب اور تعمیر کا عمل (metabolism) بری طرح متاثر ہوتا ہے اور متعدد طبعی بیماریاں اور ذہنی ناہمواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ شراب نوشی بہت حد تک جگر، معدہ، انتڑیوں، تلی، خوراک کی نالی، دماغ اور دل کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے۔ بے شمار بیماریوں کے علاوہ یہ بالخصوص دل کے عضلات کی بیماری cardiomyopathy اور خون کے بہاؤ میں رکاوٹ کی وجہ سے تالو کی ہڈیوں میں توڑ پھوڑ بھی پیدا کرتی ہے۔ مزید برآں شراب کا باقاعدہ استعمال خون کے دباؤ کے مسائل پیدا کرتا ہے اور نظامِ دورانِ خون (cardiovascular system) کو متاثر کرتا ہے۔

کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے سقوطِ قلب کے خطرات بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں، کیونکہ شراب خون میں کولیسٹرول کی مجموعی سطح کو کم کئے بغیر ہائی ڈنسٹی لیپوپروٹینز (HDL Cholesterol) کی مقدار بڑھا دیتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم کولیسٹرول میں توازن بگڑ جاتا ہے اور اُس سے دِل کے دَورے کا مجموعی خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کے صحت شناس لوگوں میں شراب نوشی کی خاطر خواہ کمی واقع ہو رہی ہے اور اکثر ہارٹ ایسوسی ایشنز (heart associations) بھی اِسی بات پر زور دے رہی ہیں کہ شراب کا اِستعمال نہ کیا جائے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام "اِسلام اور جدید سائنس")

43- مشینی ذِبح اور عند الذبح اللہ اکبر کی کیسٹ

مشینی ذِبح اِس صورت میں جائز ہے جب مشین کا بٹن دبانے والا آپریٹر مسلمان یا اہلِ کتاب میں سے ہو اور وہ جانور کے ذبح کے وقت ''بسمِ اللہ اَللہ اکبر'' پڑھے۔ بصورتِ دیگر وہ مسلمانوں کے لئے حلال نہیں ہوگا۔ عموماً مغربی ممالک میں جو مشینی ذبیحہ کیا جاتا ہے، وہاں اِس بات کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، اِس لئے وہ حلال نہیں ہے۔

جدید سائنسی تحقیقات سے یہ بات منظرِ عام پر آئی ہے کہ ذِبح ہوتے وقت جب جانور تڑپتا ہے تو خوب زور لگانے کی وجہ سے اُس کا وہ خون جو اِنسانی صحت کے لئے مضر ہوتا ہے، شہ رگ کے راستے جسم سے نکل جاتا ہے۔ اگر جانور کو ذِبح کرتے وقت بے ہوش کر دیا جائے تو وہ تڑپتے ہوئے زور نہیں لگاتا۔ یوں وہ خون اُس کے جسم میں ہی رہ جاتا ہے، جو بعد اَزاں بیماری کا موجب بھی بن سکتا ہے۔ چنانچہ مشینی ذِبح کی صورت میں بھی جانور کو ہوش میں رکھنا چاہیئے تاکہ اُس کا گوشت کھانے والے بیماری سے محفوظ رہیں۔

44- مچھلی کا ذِبح کیوں نہیں؟

اِسلام حلال جانوروں کو ذِبح کر کے کھانے کا حکم دیتا ہے، مگر مچھلی کے لئے ذِبح کا حکم نہیں دیا گیا۔ اُس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ سمندری مخلوقات کا جسمانی نظام خشکی پر رہنے والے جانوروں سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ خشکی کے جانور پھیپھڑوں سے سانس لیتے ہیں جب کہ مچھلیاں اِس کام کے لئے گلپھڑے اِستعمال کرتی ہیں۔ اِسی طرح مچھلیوں کا خون خشکی پر رہنے والے جانوروں سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ فقہائے کرام نے مچھلی کو ذِبح نہ کرنے کی حکمت میں مچھلی کے خون کا مختلف ہونا بیان کیا ہے۔

45- اِسلام اور جینیاتی انجینئرنگ (Genetic Engineering)

دورِ جدید کی طبی تحقیقات میں جینیاتی انجینئرنگ (genetic engineering) کو خاص مقام حاصل ہے۔ کسی شخص کے جینز (genes) کے مطالعہ سے اُس کا نسب، اُس کی زندگی کی تمام بیماریاں اور اُس سے متعلق بیشمار ایسے حقائق جنہیں عام حالات میں معلوم کرنا ناممکن ہے، جینیاتی انجینئرنگ ہی کی بدولت طشت از بام ہو رہے ہیں۔ ڈی این اے (Deoxyribonucleic Acid) کی تھیوری سے یہ بات بھی ثابت ہوئی ہے کہ اِنسانی جسم کے ہر خلیئے میں انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا (Encyclopaedia Britannica) کے دس کروڑ صفحات کے برابر معلومات

تحریر کی جاسکتی ہیں۔ یہ دریافت جہاں سائنسی تحقیقات میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے، وہاں اِسلامی عقائد کی تصدیق و تائید بھی کرتی جارہی ہے۔ آج کی طبی تحقیق جن DNA کوڈز کو بے نقاب کر رہی ہے، ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ یہی تحقیق جب اپنے نکتۂ کمال کو پہنچے گی اور ہم ایسے آلات اِیجاد کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، جن سے کسی بھی اِنسان کی گزری ہوئی زندگی کے اچھے بُرے اَعمال طشت از بام کئے جاسکیں گے۔

روزِ قیامت جب تمام اِنسان جلائے جائیں گے اور اُن سے حساب کتاب کیا جائے گا تو اُن کے ہاتھ اور پیر اِس بات کی گواہی دیں گے کہ اُنہوں نے اپنی دُنیوی زندگی میں کیسے اَعمال سرانجام دیئے۔ سادہ لوح عقل اِسلام کے پیش کردہ اِس نظریئے پر ہنگامہ کھڑا کر دیتی ہے کہ ہاتھ، پاؤں یا دیگر اَعضائے جسمانی آخر کس طرح ہمارے خلاف گواہی دے سکتے ہیں! اِس ضمن میں اور بھی ہزاروں سوالات انسانی ذہن میں سر اُٹھاتے ہیں، جن کا جواب DNA تھیوری میں مل سکا ہے۔ خالقِ کائنات اپنے آخری اِلہامی صحیفے قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں فرماتا ہے:

اَلۡیَوۡمَ نَخۡتِمُ عَلٰۤی اَفۡوَاهِهِمۡ وَ تُکَلِّمُنَاۤ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ تَشۡهَدُ اَرۡجُلُهُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ○

(یٰسین، 36 : 65)

’’آج (کا دن وہ دن ہے کہ) ہم اُن (مجرموں) کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور اُن کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور اُن کے پاؤں اُس کی گواہی دیں گے جو وہ لوگ کیا کرتے تھے○‘‘

اِسی آیتِ کریمہ کی تشریح و توضیح میں سرورِ دوجہاں ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

فيُختم علی فيه، و يُقال لفخذِه و لحمِه و عظامِه ”انطقی“، فتنطق فخذُه و لحمُه و عظامُه بعملِه. **(صحيح مسلم، ۲ : ۴۰۹)**

’’پس اُس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اُس کی ٹانگ، گوشت اور ہڈیوں کو بولنے کا حکم ہو گا۔ پس اُس کی ٹانگ، گوشت اور ہڈیاں اُس کے اَعمال بتائیں گے۔‘‘

آج سے ڈیڑھ ہزار برس قبل عرب کے اُس جاہل معاشرے میں اِسلام نے یہ عقیدہ پیش کیا، جہاں اَذہان جہالت کی گرد میں لپٹے ہوئے تھے اور اپنی جہالت پر فخر کرتے تھے۔ وہ اِس اِسلامی تصوّر کو بآسانی قبول نہیں کر سکتے تھے۔ وہ تو مرنے کے بعد دوبارہ جی اُٹھنے کی مطلق حقیقت کو بھی جھٹلاتے تھے، چہ جائیکہ وہ اعضائے اِنسانی کی گواہی

دینے کی صلاحیت کو تسلیم کر لیتے اور اُس پر ایمان لے آتے۔

آج کے اِس ترقی یافتہ دَور میں بھی بعض غیر مسلم اَقوام اور مغربی یلغار سے مرعوب بعض مسلمان اپنی کم علمی اور جہالت کی بناء پر بلاتحقیق اِسلام کے بنیادی عقیدے 'آخرت' کو مسلمانوں کی تضحیک وتحقیر کا نشانہ بناتے ہیں۔ اگر وہ جدید سائنسی تحقیقات اور اُن کے نتیجے میں ظاہر ہونے والے حقائق ونظریات کا بخوبی مطالعہ کریں تو وہ اِس حقیقت پر پہنچیں گے کہ اِسلام ہی آفاقی سچائیوں سے معمور دین ہے۔ جو ہر شعبۂ زندگی میں اِنسانیت کی رہنمائی کرتا ہے۔ جینیاتی انجینئرنگ کی تحقیقات جسمِ انسانی کے ہر خلیئے میں اِتنی گنجائش ثابت کر چکی ہیں، جہاں دس کروڑ صفحات کے برابر معلومات تحریر کی جا سکیں۔ خوردبین کے بغیر نظر نہ آسکنے والا معمولی خلیہ اپنے اندر اِتنی وسیع دُنیا لئے ہوئے ہے۔ روزِ آخر اللہ ربّ العزت کے حکم پر اِنسانی جسم کا ہر ہر خلیہ اپنی ساری سرنوشت زبانِ حال سے کہہ سنائے گا اور اِنسان کا سب کیا دھرا اُس کی آنکھوں کے سامنے بے نقاب کر دے گا۔ یہ اِسلام کی تعلیم ہے اور اِسی طرف جینیاتی انجینئرنگ کی تحقیقات پیش قدمی کر رہی ہیں۔

طبِ جدید کی اِن ساری تحقیقات کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے اِرشادات پر ایک نظر کریں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول کے قول سے بڑھ کر حق کائنات میں کہیں موجود نہیں۔ آج تک سائنس اور طب کی جتنی بھی تحقیقات ہوئیں وہ بالآخر اِس نتیجے پر پہنچی ہیں کہ نبی مختارِ عالم ﷺ کی ہر بات، خواہ وہ قرآن مجید ہو یا آپ ﷺ کی حدیثِ مبارکہ،مبنی برحق ہے اور سائنسی بنیادوں پر کام کرنے والے معاشروں کے لئے اس سے رُوگردانی ممکن نہیں۔ قرآن و حدیث کا ہر لفظ رسولِ آخرالزماں ﷺ کی عظمت پر دالالت کرتا ہے اور مُنکرینِ عظمتِ مصطفیٰ کے دِل و دِماغ پر ضربِ کاری ہے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام "اِسلام اور جدید سائنس")

46- اناٹمی کی اسٹڈی

میڈیکل کی اعلیٰ تعلیم کے دوران طلبہ و طالبات کو ماہر ڈاکٹروں اور پروفیسروں کی زیرِ نگرانی لاوارث لاشوں کو چیر پھاڑ کر کے اِنسان کے اندرونی اَعضاء کا باریک بینی سے مطالعہ کروایا جاتا ہے تاکہ میڈیکل کے طلبہ انسانی جسم کی ہیئت اور کارکردگی کو کماحقہ سمجھ سکیں اور مختلف بیماریوں کے اسباب جان سکیں۔ اِنسان کے مرجانے کے بعد اُس کی میت

کا اِحترام لازمی ہے، لیکن دوسری طرف زندہ انسانوں کو مہلک اور جان لیوا بیماریوں سے بچانے کے لئے اگر اُنہیں dissection کی صورت میں اسٹڈی نہ کیا جائے تو اِنسانی زندگی کے بچاؤ کی تدابیر اِختیار کرنا بھی ممکن نہیں رہتا، چنانچہ زندہ اِنسانوں کو مہلک اَمراض سے بچانے کے عظیم تعلیمی مقاصد کی وجہ سے dissection جائز ہے۔

اِس میں حکمت یہ ہے کہ شریعت نے جب اپنی زندگی کے بچاؤ کے لئے ایک حد تک حرام کھا لینے کی بھی اِجازت دی ہے تو پھر وسیع پیمانے پر اِنسانی زندگیوں کے بچاؤ کے لئے بعد از مرگ اُن کے جسموں کی dissection کر کے study کرنے کو جائز کیوں نہ قرار دیا جائے؟ اس میں بھی انسانی زندگی کے بچاؤ اور تحفظ کا پہلو کارفرما ہے۔ قرآن مجید جہاں حرام جانوروں کا ذکر کرتا ہے تو بعد میں کہتا ہے کہ جو شخص اِنتہائی اِضطراری حالت کو پہنچ جائے (شریعت کی خلاف ورزی کی نیت نہ ہو) تو پھر اُس پہ کوئی گناہ نہیں ہے، محض اس لئے کہ اُس اِقدام سے زندگی بچائی جا سکے۔ اگر انسان کے لئے اپنی اِنفرادی زندگی بچانے کے لئے خنزیر اور مردار جیسی حرام شے کو ایک مخصوص حد تک اور مخصوص وقت تک اِضطراری کیفیت میں کھانا جائز ہے تو پوری اِنسانیت کی زندگی بچانے کے لئے جو تدابیر اِختیار کرنا ضروری ہیں، اُن کے حصول کے لئے اگر dissection کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو اِضطرار اور ضرورت کے تحت شریعت میں جائز ہے۔

آج کل میڈیکل طلباء و طالبات کو دورانِ تعلیم اندرونی اَعضائے انسانی کی بناوٹ سمجھانے کے لئے کمپیوٹرائزڈ اور فزیکل ہر دو قسم کے تھری ڈی ماڈل دستیاب ہیں، لہٰذا حتیٰ الامکان یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ dissection کی نوبت صرف تب آئے جب تھری ڈی ماڈل کے ذریعہ تعلیم کا مقصد حسبِ ضرورت پورا نہ ہو سکے۔

47- اِنسانی اَعضاء کی پیوندکاری

اِنسانی اَعضاء کی ایسی پیوندکاری جس سے کسی حادثے کی بناء پر اِنسانی جسم کی خراب ہو جانے والی کارکردگی کو پھر سے بہتر بنایا جا سکے، جائز ہے۔ ایسے اِقدامات بھی بعض معاملات میں عند الضرورۃ جائز اور مباح تصور کئے جاتے ہیں۔ بلاضرورت محض تعیش کے لئے سرجری کروانا جائز نہیں۔

اسی طرح اِنسانی اَعضاء کی خرید و فروخت کلیتًا ناجائز ہے۔ اِسلام اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ اُمراء اپنی دولت کے بل بوتے پر دو وقت کی روٹی کو ترسنے والے غریبوں کے گردے یا دیگر اَعضاء خرید کر اُن کی زندگی کو

اجیرن بنا دیں۔

48- خون کا عطیہ

خون کا عطیہ کرنا جسم کا صدقہ ہے۔ مختلف بیماریوں، حادثات اور زچگی کے موقع پر آپریشن کرنے کے لئے خون کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر خون کا عطیہ نہ ملے تو اِنسانی جان کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ قرآنِ مجید میں کسی ایک شخص کی جان بچانے کو تمام اِنسانیت کی جان بچانے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا. (المائدة، 5:32)

’’جس نے کسی (شخص) کو (ناحق مرنے سے بچا کر) زندہ رکھا تو گویا اُس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو زندہ رکھا (یعنی اُس نے حیاتِ انسانی کا اِجتماعی نظام بچا لیا)‘‘

49- آنکھوں کے عطیہ کی وصیت

آنکھوں کے عطیہ کے لئے وصیت کرنا کہ بعد از مرگ وہ آنکھیں کسی نابینا شخص کو منتقل کر دی جائیں، یہ عمل بھی اَعضاء کی پیوندکاری کے ضمن میں آتا ہے۔ اس سے نابینا شخص کی زندگی میں روشنی پیدا ہوسکتی ہے اور وہ ایک عام اِنسان کی طرح زندگی کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔

اس بارے میں علماء کی رائے مختلف ہے، کچھ جواز اور بعض عدم جواز کے قائل ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ بعض زندگیاں اِتنی قیمتی ہوتی ہیں کہ ایک نابینا شخص کو بینائی مل جانے سے ہزاروں اَشخاص کی زندگیوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ ایسی صورت میں آنکھوں کا عطیہ کرنا جائز ہے، لیکن ایسے کیس عمومی طور پر کم ہی ہوتے ہیں اِس لئے عمومی سطح پر اِس کو عادت بنا لینا اور رواج دینا درست نہیں۔

50- ٹیسٹ ٹیوب بے بی (Test Tube Baby)

بسا اوقات عورت کی یوٹرس (Utrus) کی ٹیوب بند ہوتی ہے یا رحم کی ٹیوبز تنگ ہوتی ہیں یا اندر کوئی ایسی خرابی ہوتی ہے کہ میاں بیوی کے قدرتی ملاپ کے نتیجے میں وہ سپرمز (Sperms) اندر نہیں جاسکتے اور اِستقرارِ حمل نہیں ہوسکتا تو ایسی صورتوں میں ڈاکٹر شوہر کا ’سپرم‘ اور بیوی کا ’اووم‘ (Ovam) لے لیتے ہیں اور ایک ٹیوب میں اُن

کا ملاپ کر دیتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اِستقرارِ حمل کا مرحلہ ماں کے پیٹ میں ہونے کی بجائے لیبارٹری میں انجام پاتا ہے۔ جب ٹیوب میں یہ عمل مکمل ہوجاتا ہے تو اُسے اِحتیاط کے ساتھ ماں کے رحم میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ حمل کے اگلے مراحل بچہ ماں کے پیٹ میں ہی طے کرتا ہے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا یہ طریقہ جو پاکستان سمیت اکثر مسلمان ملکوں میں رائج ہے، جس میں نسب کا خیال رکھا جاتا ہے اور کوئی حرام عمل نہیں ہوتا، 'سپرم' اور 'اووم' ایک ہی میاں بیوی کے ہوتے ہیں، کسی غیر مرد یا عورت کے خلئے اِستعمال نہیں کئے جاتے تو اِس صورت میں کوئی اَمر مانع نہیں ہے۔ چنانچہ یہ شرعی حوالے سے جائز ہے۔

51- خاندانی منصوبہ بندی (Family Planning)

خاندانی منصوبہ بندی (Family Planing) پانچ اَسباب کی صورت میں جائز ہے:

پہلا سبب: میڈیکل رپورٹ سے یہ بات ظاہر ہو کہ کثرتِ تولد کی وجہ سے عورت کی جان کو خطرہ ہے۔

دوسرا سبب: میڈیکل رپورٹ سے یہ بات ظاہر ہو کہ پیدا ہونے والے بچے کی جان جانے کو خطرہ ہے۔

تیسرا سبب: میڈیکل رپورٹ سے یہ بات ظاہر ہو کہ کثرتِ تولد کی وجہ سے عورت کی صحت کو ایسا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے کہ اُس کی صحت گر جائے گی، بیمار رہنے لگے گی اور شفا یابی مشکل ہو جائے گی۔

چوتھا سبب: میڈیکل رپورٹ سے یہ بات ظاہر ہو کہ پیدا ہونے والا بچہ صحت مند اور توانا نہیں ہوگا اور مستقل بیمار رہے گا۔

پانچواں سبب: بندہ یقین کی حد تک محسوس کرے کہ میرے وسائل اِس قدر نہیں کہ زیادہ اولاد کی صورت میں بچوں کی کفالت حلال ذرائع سے کر سکوں، چنانچہ حرام ذرائع اِختیار کرنا پڑیں گے۔

اِن پانچ صورتوں میں خاندانی منصوبہ بندی جائز ہے، تاکہ ماں اور بچے کی زندگی اور صحت محفوظ رہے اور اُس کا اپنا دین بھی محفوظ رہے۔ اگر اُس کے معاشی حالات ابتر ہوں، (رزق کی بنیاد پر نہیں کہ رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہے) لیکن اگر حالات ایسے ہوں کہ وہ یقین کی حد تک محسوس کرے کہ اولاد کی کثرت اور ذمہ داریوں کا بوجھ اِتنا زیادہ ہو جانے کی وجہ سے جائز اور حلال وسائل کافی نہ ہوں گے اور اُسے اپنے بچوں کی کفالت اور تعلیم و تربیت کے لئے رشوت،

غبن، چوری اور بددیانتی کرنا پڑے گی اور اُس کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے حرام رزق گھر میں آنے لگے گا تو ایسی صورت میں اوّلیت دین و ایمان کو حاصل ہے، اُسے کثرتِ اولاد سے بچنا چاہیئے۔ ائمہ کرام اور بہت سے علماء کے فتاویٰ ہیں کہ اگر یہ خدشہ ہو کہ کثرتِ اولاد سے وہ بچوں کو رزقِ حلال نہیں کھلا سکے گا تو اس صورت میں خاندانی منصوبہ بندی جائز ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی کی باقی جو صورتیں ہیں، مثلاً محض یہ خیال کہ اولاد کم ہو زیادہ ہو اولاد اچھی نہیں ہے، عیاشی کے خیال سے، اِنقطاعِ نسل کے خیال سے، یا نسل کشی کے لحاظ سے خاندانی منصوبہ بندی ناجائز ہے۔

52- خاندانی منصوبہ بندی کا محکمہ

یہ اِجتماعیت کا دور ہے اور ہر کام تنظیم کی صورت میں ہوتا ہے۔ عام آدمی یہ نہیں جانتا کہ منصوبہ بندی کے لئے اُسے کون سی ادویات کا اِستعمال کرنا چاہیئے۔ اب یہ ذمہ داری حکومت پر آ جاتی ہے کہ وہ ایسا محکمہ بنائے جو لوگوں کو یہ بتائے کہ کون سی عمر میں کون سی دوا لینی ہے۔ عام آدمی اگر اپنے اندازوں سے کوئی دوا اِستعمال کر لے تو اُلٹا اُس کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ اس لئے یہ بنیادی بات واضح ہے کہ ایک محکمہ اِس مقصد کے لئے ہونا ضروری ہے۔ ادویات ساز اِداروں کو ہدایات جاری کرنا اور اُن کی تیارکردہ ادویات کا معیار برقرار رکھنے کے لئے اُن پر نظر رکھنا، اِن سب کاموں کے لئے ایک محکمہ کا وجود ضروری ہے۔ اِس پہلو سے یہ بات جائز ہے اور اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دوسری طرف خدشات کا پہلو آ جاتا ہے۔ وہ یہ کہ اِس راستے سے بے حیائی اور بدکاری کو راستہ ملتا ہے۔ اس حوالے سے حکومت کو مناسب منصوبہ بندی کرنی چاہیئے کہ جہاں ضرورت مندوں کو ضروری معلومات تک رسائی میسر آئے وہیں بدکاری کا راستہ بھی نہ کھلنے پائے۔ بدقسمتی سے حکومت جب ایسے پروگرام بناتی ہے تو ایک رخ کو سامنے رکھتی ہے اور دوسرے رخ کو قطعی نظرانداز کر دیتی ہے، جس سے معاشرہ میں کئی قسم کے بگاڑ پیدا ہوتے ہیں۔ پھر علمائے کرام کی طرف سے ردِعمل ہوتا ہے اور عمل اور ردِعمل میں جا کر بات اِنتہا کو پہنچ جاتی ہے اور پھر جو کسی کام کے جواز کی اِستثنائی صورتیں ہوتی ہیں بعض اوقات اُن سے بھی اِنکار ہوجاتا ہے۔

حکومت کو دونوں پہلوؤں پر یکساں توجہ دینی چاہئے کہ جو اصل مقاصد اور ضروریات ہیں وہ بھی پوری ہوسکیں اور ایسی ادویات اور معلومات کو عام کر دینے سے جو نقصانات ہیں یا اُن کے غلط اِستعمال کے جو پہلو ہیں اُن کا بھی

تدارک کیا جائے اور سختی سے روکا جائے۔

53- خواتین اور میڈیکل ایجوکیشن

پاکستان کی 52 فیصد آبادی خواتین پر مشتمل ہے، جبکہ خواتین کی اعلیٰ تعلیم کے رُجحان میں نسبتاً کمی ہونے کی وجہ سے ملک میں خواتین ڈاکٹرز کی تعداد مرد ڈاکٹروں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ خواتین کی تعلیم میں میڈیکل ایجوکیشن کو خاص اہمیت دی جانی چاہیئے اور اِس پہلو سے حکومتی سطح پر لائحہ عمل بنانے کی ضرورت ہے۔

اگر خواتین ڈاکٹر نہیں بنیں گی تو لامحالہ زچگی کے مسائل کے لئے مرد ڈاکٹروں سے رجوع کرنا پڑے گا، جو شرم و حیاء کے منافی ہے۔ چنانچہ حیاء کے نام پر خواتین کو میڈیکل ایجوکیشن سے دُور رکھنے والے ذہن کو یہ بات سوچنی چاہیئے کہ خواتین کا میڈیکل ایجوکیشن حاصل کر کے ڈاکٹر بن جانا بہتر ہے یا ہر خاتون کا زچگی کے دوران مرد ڈاکٹروں سے علاج کروانا۔

54- بلاسود بینکاری

اسلام نے سود کو کسی بھی چھوٹی یا بڑی حالت میں قطعی طور پر مسترد کر دیا ہے۔ عرب لوگ تجارت اور سود میں فرق نہیں کرتے تھے اور حلال وحرام کی تمیز کھو چکے تھے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اَحَلَّ اللهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا. (البقرہ، ۲ : ۲۷۵)

’’اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔‘‘

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

یَمْحَقُ اللهُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ. (البقرہ، ۲ : ۲۷۶)

’’اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے)۔‘‘

اس آیت کریمہ میں سود اور صدقات کا ایک ساتھ ذکر کیا گیا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سودی معیشت سے چھٹکارے کا ذریعہ اسلام کا نظامِ صدقات ہے۔ پاکستان دنیا کا وہ ملک ہے جہاں سب سے زیادہ صدقہ و خیرات کیا

جاتا ہے۔ اگر ان صدقات کو ایک نظام کا حصہ بنایا جائے اور صدقات بینک کی صورت میں پروان چڑھایا جائے تو نہ صرف سودی معیشت سے چھٹکارہ مل سکتا ہے بلکہ غربت کا خاتمہ بھی ممکن ہے۔

اللہ رب العزت نے ایک اور مقام پر وارننگ دیتے ہوئے فرمایا:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ. (البقرہ، ۲ : ۲۷۹)

’’پھر اگر تم باز نہ آئے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ پر خبردار ہو جاؤ۔‘‘

سود کی نحوست کا اندازہ اس اندازِ بیان سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ سورۂ بقرہ میں وارد ہونے والی ان آیاتِ کریمہ میں اللہ رب العزت نے نہ صرف سود کی ہر شکل کو کلیتاً حرام قرار دیا بلکہ سودی لین دین کرنے والوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرنے والے قرار دیا۔

احادیث رسول ﷺ میں بھی سودخوری کو مکمل طور پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے:

أن النبي ﷺ قال: الربا بضع وسبعون باباً والشرک مثل ذلک.

(مسند بزار، 5 : 318، رقم: 1935)

’’سود کے ستر سے زیادہ درجے ہیں اور شرک بھی اسی طرح (گناہ میں اس کے برابر) ہے۔‘‘

ایک اور حدیث مبارکہ میں سخت وعید آئی ہے، فرمایا:

الربا سبعون باباً أدناها کالذي يقع علی أمه. (بیہقی، ۴ : ۳۹۴، رقم: ۵۵۲۰)

’’سود کے ستر دروازے (ستر اقسام) ہیں، ان میں سے ادنیٰ ترین (قسم کا گناہ) ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے زنا کرے۔‘‘

سود ایک ایسی خطرناک معاشی برائی ہے جس کی ہلاکت کو آج بین الاقوامی سطح پر تسلیم کیا جا رہا ہے۔ سود کے منفی نتائج انسانی زندگی کے ہر شعبے میں سامنے آئے ہیں۔ سود اپنے اندر......روحانی و اَخلاقی، معاشی وتمدنی، سیاسی اور معاشی...... ہر قسم کے نقصانات لئے ہوئے ہے۔

سودی معیشت اَخلاقی و روحانی سطح پر یوں اثرانداز ہوتی ہے کہ سود یا سودی کاروبار میں ملوث ہونے سے انسان میں اَخلاقی پستی پیدا ہوجاتی ہے اور خود غرضی، حرص و ہوس پرستی، بخل، سنگدلی اور تنگ نظری جیسی برائیاں اُسے اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔ سود انسان کو اعلیٰ انسانی اَقدار سے محروم کر کے خودغرضی جیسے گھٹیاپن کی طرف لے جاتا ہے، جو اِنفرادی اور اِجتماعی گراوٹ و تنزل کا باعث بنتی ہیں۔ اُس کے نتیجے میں معاشرہ عدم اطمینانی اور اِضطراب کا شکار ہو جاتا ہے اور یوں اَخلاقِ حسنہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

سودی معیشت معاشرتی وتمدنی سطح پر یوں اثرانداز ہوتی ہے کہ مختلف ممالک بین الاقوامی تجارت اور اپنا نظامِ مملکت چلانے کے لئے معاہدات کرتے ہیں، جن میں مالی اِمداد اور قرضے وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں۔ اگر اُن میں سود کا عنصر شامل ہو جائے تو معاہد ممالک میں منافرت، خودغرضی، عناد اور حسد و رقابت کے جذبات فروغ پانے سے ایک سرد جنگ کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ قرض خواہ اور مقروض ملک بظاہر تو ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں لیکن اُن میں ایک معاندانہ کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ چونکہ سود کے بالواسطہ اَثرات تمام عوام پر پڑتے ہیں اِس لئے مقروض ملک کے عوام میں قرض خواہ ملک کے لئے نفرت وحقارت کے جذبات سر اُٹھانے لگتے ہیں، جس کا اکثر نتیجہ اَمن کی پامالی کی صورت میں نکلتا ہے۔ تاریخ اس ضمن میں بہت سے شواہد پیش کرتی ہے۔

سودی معیشت سیاسی سطح پر یوں اثرانداز ہوتی ہے کہ جس معاشرے میں سود داخل ہوتا ہے وہاں ملکی اور بین الاقوامی سیاسی فضا میں کشیدگی اور تناؤ کی سی کیفیت اپنے عروج کو جا پہنچتی ہے۔ سود ہی کی وجہ سے تعلقاتِ عامہ متاثر ہوتے ہیں، سیاسی معاہدات خسارے میں پڑ جاتے ہیں اور بین الاقوامی تعلقات میں بگاڑ کے باعث قوموں اور ممالک میں دو گروہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ سیاسی برتری سود خور ملک حاصل کرتا ہے، جبکہ مقروض ملک سود کے بوجھ تلے محکومی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ ناپسند کرتے ہوئے بھی قرض خواہ ملک سے سیاسی اَحکام (Political Dictates) لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس طرح سود سیاسی میدان میں بھی اپنے مُفسِدات کی وجہ سے سیاسی عدم اِستحکام، نفرت، جنگ اور فقدانِ اَمن کا پیش خیمہ بنتا ہے۔

سود معاشی میدان میں سب سے زیادہ نقصانات کا باعث بنتا ہے۔ چند اہم معاشی نقصانات حسبِ ذیل ہیں:

- ☆ غریب طبقہ کی مصیبتوں میں اِضافہ
- ☆ عوام الناس کی قوتِ خرید میں کمی
- ☆ اشیائے صرف کی قیمتوں میں اِضافہ
- ☆ اِرتکازِ دولت

☆ گردشِ دولت (Circulation of Money) میں کمی ☆ تجارتی چکر اور کساد بازاری
☆ قرضِ حسنہ کا خاتمہ ☆ وسیع پیمانے پر معاشی اِستحصال
☆ سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی ☆ بچتوں (Savings) کا فقدان
☆ بیروزگاری میں اِضافہ اِقتصادی ترقی میں رکاوٹ
☆ ماہرین کی تخلیقی صلاحیتوں سے بے اِعتنائی اور مفت خوری کا اِجراء
☆ تعیّشات اور عیش پرست زندگی سے محبت جس سے سماجی برائیاں (Social Evils) جنم لیتی ہیں

غرض یہ کہ سود کے معاشی شعبہ (Economic Sector) میں اتنے دُور رَس مفسدات اور نقصانات ہیں، جنہیں تفصیل سے بیان کرنا یہاں طوالت کا باعث بنے گا، لیکن یہ حقیقت ہے کہ آج کے سائنسی اور علمی ترقی کے دور میں بھی اَصحابِ عقل و دانش سود کی برائیوں سے صرفِ نظر نہیں کر سکے، جبکہ تاریخ اور حالاتِ زمانہ نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ سود پر مبنی معیشت جلد یا بدیر اِنحطاط، تنزل اور تباہی کا شکار ضرور ہوتی ہے۔

اِسلام نے مذکورہ بالا اُمور کا آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے ہی اِدراک کیا اور اپنی اِلہامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ عملی میدان میں بھی سود کے خاتمے کی طرف رغبت دلائی۔ اِسلامی معاشیات کے ماہرین نے قرآن و سنت کی روشنی میں جو اُصول وضوابط مدوّن کئے اُن میں سود کی کوئی گنجائش نہیں۔ اِس کے ساتھ ساتھ اَربابِ اِقتدار کے لئے لازمی قرار دیا گیا کہ وہ اِنقلابی اِقدامات کے ذریعے سود سے پاک معیشت کا قیام عمل میں لائیں۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ”اِقتصادیاتِ اسلام“ اور سی ڈی نمبر 894)

55- مغربی دُنیا میں رہن پہ گھر لینا (Mortgage)

مغربی دُنیا میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے مورگیج پہ گھر لینا (Mortgage) ایک سے زیادہ دلائل کی بناء پر جائز ہے۔ اسے سود قرار دے کر ناجائز سمجھنا محض سادہ لوحی ہے۔

سود قطعی طور پر حرام ہے اور اُسے حلال سمجھنا ایمان سے خارج ہونے کے مترادف ہے، مگر غیر مسلم ممالک میں بطور اقلیت رہنے والے مسلمان تارکین وطن کے لئے مورگیج پہ گھر حاصل کرنا جائز ہے، کیونکہ بطور اقلیت اُن کی پوزیشن تبدیل ہو جاتی ہے۔ غیر مسلم ممالک میں سود کی حرمت کے اَحکام اُسی طرح لاگو نہیں ہو سکتے جس طرح وہ اِسلامی

ممالک میں ہوتے ہیں۔ حکم کا نافذ ہونا یا نہ ہونا منصوص نہیں بلکہ اِجتہادی نوعیت کا مسئلہ ہے، اس لئے اس حوالے سے کسی فقہ کی کتب میں کوئی اَحکام نہیں ملتے۔ جس کا سبب یہ ہے کہ اِسلامی دورِ عروج میں مسلمان اتنی بڑی تعداد میں سودی نظامِ معیشت والے ممالک میں جا کر نہیں بستے تھے، بلکہ غیر مسلم لوگ مسلمان ملکوں میں آ کر بسا کرتے تھے۔ اِس دور میں اس مسئلہ سے سابقہ پڑ رہا ہے تو اسی دور میں اس کے جواب کی ضرورت پڑ رہی ہے۔ اب جو دورِ زوال ہے تو پچھلی ایک صدی سے مسلمانوں نے غیر مسلم ممالک کی طرف امیگریشن شروع کی، بعد ازاں اُنہیں وہاں شہری حقوق ملنے لگے۔ اب وہ غیر اسلامی اور سودی نظامِ معیشت والے ممالک میں بستے ہیں، جہاں بلاسود قرضہ کا ملنا ناممکن ہے۔ ایسے میں اگر مورگیج کی سہولت سے فائدہ اُٹھا کر گھر نہیں بنائیں گے تو مسلمان معیشت میں دوسری قوموں سے پیچھے رہ جائیں گے۔

ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ مغربی دُنیا کی غیر مسلم حکومتوں میں جا بسنے والے مسلمان تنخواہ، سوشل سیکیورٹی، چائلڈ بینفٹ، میڈیکل بینفٹ اور پنشن وغیرہ جس خزانے سے لے رہے ہیں، کیا وہ حلال ذرائع پر مشتمل ہے؟ یقیناً اُس میں شراب اور خنزیر کا سیل ٹیکس اور سود کا پیسہ بھی شامل ہے اور وہاں کی حکومتیں شراب اور خنزیر کے ٹیکس اور سودی نظام سے اکٹھی ہونے والی رقوم سے اُنہیں سوشل سیکیورٹی سمیت تمام فوائد دے رہی ہے۔ جو سادہ لوح دین دار لوگ غیر مسلم ممالک میں مورگیج کے حرام ہونے پر اِصرار کرتے ہیں اُنہیں غور کرنا چاہیئے کہ باقی سارا کچھ حلال ہوگیا اور صرف مورگیج حرام ہوگیا، یہ کیسا اُصول ہے! وہاں کا سارا نظام سودی ہے، ہر ماہ جو چائلڈ بینفٹ لیتے ہیں وہ بھی تو شراب اور خنزیر سمیت ہر قسم کی حلال وحرام کی ملی جلی انکم سے آتا ہے۔ جب باقی ساری سہولیات کا لینا حلال ٹھہرا تو ایک مورگیج ہی کیوں باقی رہ گیا! اِس کا جواب یقیناً یہ ہوگا کہ چائلڈ بینیفٹ نہ لیں تو بچوں کو اچھی تعلیم نہیں دلوا سکتے، پنشن اور سوشل سیکیورٹی سمیت دُوسری تمام سہولتوں کے جواز پر بھی ایسا ہی جواب ملے گا۔ سادہ سی بات ہے کہ جس چیز نے باقی ساری سہولتوں کو جائز بنایا اُنہی پر مورگیج کو بھی قیاس کرلیں۔ اگر مورگیج کو حرام قرار دینا ہے تو اُس پورے سسٹم کو حرام قرار دے کر مسلمانوں کو وہاں سے نکلنا ہوگا، چھٹی کر کے گھر چلے جائیں، مکہ مدینہ چلے جائیں، دیارِ کفر میں بسنے کی تکلیف کیوں کی ہے۔

اسی طرح ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر مورگیج نہ لیں تو کتنے لوگ ہیں جو بغیر مورگیج لئے سو فیصد ادائیگی کر کے مکان خرید سکیں! جو لوگ محنت مزدوری کرنے بیرونِ ملک جاتے ہیں وہ کیونکر مکان خرید سکتے ہیں! اگر اُن کے پاس اتنا

مال و دولت ہوتی تو اُنہیں پاکستان چھوڑ کر باہر جانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ جہاں باقی سہولتیں لینا جائز ہے وہیں مورگیج کو بھی شامل کر لیں۔ مزید یہ کہ سود لینا اور دینا دونوں حرام ہے۔ یونہی کفر کے نظام سے لینا اور دینا اُسے مضبوط کرنے کے مترادف ہے۔ اس لحاظ سے تو اُن ممالک میں ٹیکس دینا بھی حرام ہوا کہ اُس سے بھی کفر کے نظام کو مدد ملتی ہے۔ مسلمانوں کے ٹیکس سے کفر کی حکومتیں طاقتور ہو رہی ہیں اور وہ اُن کے نظام کی خدمت کر رہے ہیں۔ یوں کرتے کرتے اِس لحاظ سے تو اُن کے ہاں نوکری بھی تو ایک طرح سے اُن کے نظام کی مدد ہے۔ پھر سب کچھ چھوڑ دیں، پنشن بھی چھوڑ دیں، سارا لین اور دین حرام ہے تو پھر چھوڑ دیں سب کچھ۔

شریعت کا یہ قاعدہ ہے کہ جب مسلمان کسی ایسے غیر مسلم ملک میں رہ رہے ہوں جہاں اِسلام کا نظام موجود نہ ہو اور عالمِ کفر کی حکومت اور نظام چل رہا ہو تو وہاں جب آپ اپنے معاش، رہائش اور کاروبار کے لئے اُنہیں ٹیکس دے رہے ہیں وہاں آپ بطور شہری مورگیج سمیت اُن کے نظام کی تمام سہولیات سے بھی فائدہ لے سکتے ہیں۔ مسلمان اقلیت ہیں، قانون اُن کے ہاتھ میں نہیں کہ وہ سودی نظام کو ختم کر سکیں، اس لئے وہاں بسنے والے مسلمانوں پر اَحکام کا اِطلاق نہیں ہوگا۔ اِنفرادی قرض لینا وہاں ممکن نہیں ہے، لینا بھی حکومت اور بینکوں سے ہی ہے جو سودی نظام سے چلتی ہیں، اس لئے یہ اِستثنائی حالت ہے اور وہاں اقلیت ہونے اور نظام مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ ہونے کی بناء پر اُن پر اَحکام لاگو نہیں ہوں گے۔

خنزیر اور مردار اور شراب حرام ہیں مگر اِستثنائی صورت میں اِسلام کا قانون مختلف ہے۔ فرمایا:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ. (البقرہ، ۲ : ۱۷۳)

’’پھر جو شخص مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اُس پر (زندگی بچانے کی حد تک کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں۔‘‘

حلال کی عدم دستیابی کی صورت میں حرام کے اِستعمال کی اِجازت بھی دی جا رہی ہے۔ اس اِستثنائی حکم سے حرام حلال نہیں ہو جاتا، مگر اُس کے استعمال کی اجازت مل جاتی ہے۔ یونہی کینیڈا میں سود حلال نہیں ہو جاتا، بلکہ صورتحال تبدیل ہونے اور اِضطراری حالت ہونے سے اُس کا اِستعمال جائز ہوگیا اور حرمت کا حکم اگلی صورتحال تک کے لئے معطل ہوگیا۔ جب کبھی کینیڈا میں بلاسود نظام مہیا ہوگا تب مورگیج کا اِستثنائی جواز بھی ختم ہو جائے گا۔

مورگیج کو حرام کھا کر جان بچانے کے برابر تو نہیں کہا جا سکتا، مگر جیسے کسی شخص کا حرام کھا کر اپنی جان بچانا اِنفرادی اِضطرار تھا، اِسی طرح غیر مسلم ملکوں میں مسلمانوں کے معاشی اِستحکام کی ضرورت ایک اِجتماعی اِضطرار ہے۔ اِنفرادی اِضطرار میں جان بچانے کا مسئلہ تھا، جبکہ اِجتماعی اِضطرار میں مسلم سوسائٹی کی اِجتماعی بقا کا مسئلہ ہے، اِس لئے یہاں اجتماعی استثنا ہے۔ اگر مورگیج کی نفی کر دی جائے تو مغربی دنیا میں اِجتماعی طور پر کوئی بھی مسلمان قابلِ رہائش نہیں رہتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ کرائے پر مکان لیں اور کاروبار کے لئے بھی قرضہ نہ لیں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یوں تو اِس نظام میں زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ اگر آج تمام مسلمان مورگیج اور قرضے بند کرنے کا اِعلان کر دیں تو پوری کی پوری مسلم سوسائٹی کی بقا ختم ہو جائے گی۔ غیر اسلامی سوسائٹی میں اجتماعی بقا اور مسلمانوں کا قیام بچانا اِستثنائی مسئلہ ہے۔

اس مسئلہ کو گہرائی تک سمجھنے کے لئے ذرا ایک نظر یوں بھی سوچیں کہ عالم اسلام میں جب بھی کسی ملک میں کوئی مشکل پیش آتی ہے تو تارکینِ وطن اُن کی مدد کرتے ہیں اور اس بات کو سبھی سراہتے ہیں۔ پاکستان میں زلزلہ ہو یا سیلاب تارکین وطن کی طرف سے مدد آنے پر اُن کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ آج اگر اُنہیں باعزت مقام ملا ہے تو معیشت مضبوط ہونے کی بناء پر ہے۔ اِس بات پر تو فخر کیا جاتا ہے کہ دیارِکفر میں اتنی مسجدیں بن گئی ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ ان مسجدوں کو بنانے کے لئے پیسہ کہاں سے آ رہا ہے۔ امریکہ میں اِتنی مسجدیں بھی وہی متمول تارکین وطن بنا رہے ہیں، جو مورگیج سمیت سودی نظام کے سارے فوائد لے رہے ہیں۔ آج اگر تمام مسلمان تہیہ کر لیں کہ آج کے بعد مورگیج اور سودی نظام کی تمام سہولتیں لینے سے اِنکار کرتے ہیں تو نئی مسجدوں کا قیام تو درکنار پہلے سے قائم تمام مسجدیں بھی بند ہو جائیں گی۔ چندے بھی ختم، مسجدوں کا قیام بند، اسلامک ایجوکیشن بند، اسلامی مراکز بند، مسلمان اِقتصادی طور پر ایک کمزور کمیونٹی ہوں گے۔ چپڑاسی کی اور پٹرول پمپ کی نوکری رہ جائے گی۔ مفلسی عام ہو گی، تجارت نہیں کر سکیں گے۔ معیشت کے زور پر مسجدیں بن رہی ہیں، معیشت مضبوط ہونے سے ہی یہ سب کام بڑھ رہے ہیں، معیشت غیر مستحکم ہوئی تو پوری سوسائٹی اُکھڑ جائے گی۔ اگر آج یہ راستہ بند ہو جائے تو کوئی مسلمان ٹریڈ نہیں کر سکے گا، فیکٹری لگانا، کوئی کاروبار کرنا ناممکن، صرف مزدوری رہ جائے گی، اور پھر دُنیا بولے گی کہ مسلمان بھوکے ننگے ہوتے ہیں، بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ اور یوں مغربی دُنیا میں تیزی سے پھیلتا ہوا اِسلام بھی سکڑنے لگے گا۔ اِسی اِجتماعی اِضطرار کے پیشِ نظر مغربی دُنیا میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے مورگیج پہ گھر لینا (Mortgage) جائز ہے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: **220**)

56- قسطوں کا کاروبار

پاکستان میں قسطوں کا مروجہ کاروبار جائز ہے، جس میں قسطوں کی وجہ سے اشیائے فروخت کی نقد قیمت سے کچھ زیادہ قیمت وصول کی جاتی ہے۔ اِمام ترمذی فرماتے ہیں:

اَن یقولَ اَبیعکَ هٰذا الثوبَ بنقدٍ بعشرة و بنسیئةٍ بعشرین. (الترمذی: ۱: ۱۴۷)

''(دوکاندار کا گاہک سے) یوں کہنا (جائز ہے) کہ میں تمہیں یہ کپڑا نقد قیمت پر دس روپے میں اور اُدھار قیمت پر بیس روپے میں بیچتا ہوں۔''

قسطوں کا کاروبار لوگوں کے لئے ایک سہولت ہے، اسے سود پر قیاس کرتے ہوئے ناجائز تصور کرنا درست نہیں ہے۔

57- اِنعامی بانڈ (Prize Bond)

گھریلو بچت کے طور پر انعامی بانڈ خرید کر رکھ لینا جائز ہے اور انعام میں نکلنے والی رقم بھی حلال ہے۔ اس سے ملنے والا منافع کسی طرح بھی سود یا جوئے کے زمرے میں نہیں آتا۔ جو علماء انعامی بانڈ کو ناجائز قرار دیتے ہیں وہ اسے قمار (یعنی جوا) پر قیاس کرتے ہیں۔ قمار وہ ہوتا ہے کہ کسی کی رقم ڈوب جائے اور کسی دوسرے کو اس کی رقم سے زائد مل جائے۔ جبکہ یہاں سب کی رقم محفوظ رہتی ہے اور منافع قرعہ اندازی کے ذریعہ انعام کی صورت میں کسی کو مل جاتا ہے۔ اگرچہ گھریلو بچت، رقم کے تحفظ اور ہنگامی ضروریات کے لئے انعامی بانڈ خرید کر رکھ لینا جائز ہے، تاہم اسے کاروبار بنا لینا مناسب نہیں کیونکہ یہ کمائی کا اچھا ذریعہ نہیں ہے۔

58- اِسلامی لیبر پالیسی (Islamic Labour Policy)

اِسلامی لیبر پالیسی کے اہم خد و خال میں سب سے اہم یہ نکتہ ہے کہ ''اِنسانی محنت خریدنی جنس نہیں ہے''۔ ایک مزدور اپنی حاجات یا ضروریات کے تحت مزدوری کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے اپنے آپ کو یا اپنی اجرت کو آجر کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے اور نہ ہی آجر کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس نے مزدور کی خدمات لے کر اسے اپنا غلام بنا لیا ہے بلکہ اگر آجر اور اجیر کے درمیان کوئی کام سرانجام دینے کا معاملہ یا معاہدہ ہوا ہے تو وہ ایک دوسرے کے باہمی

مفاد (Mutual Interest) اور ضرورت کو پورا کرنے کے مترادف ہے۔ یہاں کوئی بائع یا مشتری نہیں ہے۔ یہ معاملہ یا معاہدہ برابری، اخوت، باہمی اعتماد و احترام پر مبنی ہے کسی کو نیچا دکھانے، اپنی بڑائی جتانے یا مزور کو دبانے کرنے کے لئے نہیں۔ اصل میں یہ اجرت، مشاہرہ یا تنخواہ وغیرہ اُس وقت کا بدل یا متبادل ہے جو اَجیر (مزدور) کسی اور ذریعہ سے اپنی ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے میں خرچ کرسکتا تھا۔

اِسلامی لیبر پالیسی کے ضمن میں دوسرا نکتہ ''ظلم اور نااِنصافی کی نفی'' ہے۔ معاملہ بندی میں آجر اِس امر کا خیال رکھے کہ مزدور سے اپنی ضرورت کو پورا کرانے میں اُس کے ساتھ ظلم اور نااِنصافی سرزد نہ ہو۔ ظلم اور نااِنصافی سے اِجتناب کام کے آغاز، درمیان اور اِختتام تک جاری رہنا ضروری ہے۔ اسی طرح محبت اور حسنِ سلوک کے جذبات رکھنا بھی لازمی ہے۔ تھکان کی صورت میں مزدور کو آرام کرنے کی سہولت دینا، بروقت اُجرت کی ادائیگی اور ناگہانی حالت میں اُس کے ساتھ تعاون کرنا بھی ضروری ہے۔

اِسلامی لیبر پالیسی کے ضمن میں تیسرا نکتہ ''اُجرت کی درجہ بندی اور عادلانہ اُجرت'' ہے۔ عصرِ حاضر میں سرمایہ دار مزدوروں کی رسد میں اِضافہ کی وجہ سے کم اُجرت ادا کرتا ہے جبکہ دوسری طرف مزدور وسیع پیمانے پر بے روزگاری (Large scale Unemployment) کی وجہ سے کم اُجرت پر کام کرنے کے لئے مجبوراً راضی ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح مزدور سے کام زیادہ لینا اور مشاہرہ کم دینے کا بھی رواج عام ہے۔ بسا اوقات مزدور کو کام پر لگا لیا جاتا ہے اور کام مکمل ہونے پر اپنی مرضی سے اُجرت دی جاتی ہے جو اکثر کم ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اُجرت کی ادائیگی میں من مانی رکاوٹ، تاخیر اور پریشان کن ترکیبیں استعمال کرکے مزدور کا استحصال کیا جاتا ہے۔ اسلامی لیبر پالیسی میں ان تمام اُمور کا سدباب کیا گیا ہے بلکہ ایسے ہتھکنڈے استعمال کرنے کو ظلم سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

مطل الغني ظلمٌ. (صحيح بخاري، ۲: ۸۴۵، رقم: ۲۲۷۰)

''مالدار کا (مالداری کے باوجود دوسرے کے ادائے حق میں) تاخیر کرنا ظلم ہے۔''

متذکرہ بالا تمام اِستحصالی رویوں اور معاشی برائیوں کی حوصلہ شکنی اور اُن کی بیخ کنی کے لئے اِسلام عادلانہ اُجرت (Equitable wages) کا تصور پیش کرتا ہے، جس کے تحت ہر محنت کش کو اتنی اُجرت ملے گی جو اُس کے گزر اوقات کے لئے کافی ہو۔ یہاں حکومتِ وقت کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ ان اُمور میں نگرانی کرے اور ایسے قوانین

بنائے جو محنت و اجرت میں توازن پیدا کریں تاکہ ملک میں معاشی ترقی و خوشحالی ہو اور محنت کش طبقہ بھی امن وسکون کی زندگی بسر کر سکے۔ اس سلسلے میں درج ذیل اِقدامات مستحسن ہوں گے:

- ملوں اور کاروبار کے منافع میں مزدوروں کا حصہ
- سالانہ ایک یا دو بونس
- بہتر کارکردگی پر انعام و اکرام
- محنت کش کی کفالت (ہر شعبۂ زندگی میں مثلاً صحت، رہائش، تعلیم اور اکتسابِ ہنر وغیرہ)

اِسلامی لیبر پالیسی کے ضمن میں ''جبری مشقت کی نفی'' ایک اہم پوائنٹ ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات و ہدایات آفاقی ہیں۔ اس کے راہنما اصول زندگی کے تمام شعبہ جات پر محیط ہیں۔ معاشرتی و معاشی اعتبار سے بھی ''جبر'' کو ناپسند کیا گیا ہے چنانچہ عورتوں، بچوں اور محتاجوں (Destitutes) وغیرہ سے ان کی اِستطاعت سے زیادہ کام لینا ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. (البقرة، ٢ : ٢٨٦)

''اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔''

گویا اللہ رب العزت کی سنت ہے کہ وہ کسی پر اس کی مقدور بھر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اس آیتِ کریمہ میں بھی انسانوں کی توجہ اسی امر کی طرف مبذول کرائی گئی ہے کہ وہ بھی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سے جبراً یا اُن کی اِستطاعت سے زیادہ مشقت نہ لیں اگر ہو سکے تو اس امر سے کلیتاً اِعراض کیا جائے۔ اسی ضمن میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

ولا تكلّفوهم ما يغلبهم. (صحيح بخاري، ١ : ٢٠، رقم: ٣٠)

''اور ان پر اتنا کام نہ لادو جو اُنہیں مغلوب کر دے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسی طرزِ عمل کو اپنائے رکھا اور اسی کی تعلیم دی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لا تكلّفوا الأمة غير ذات الصنعة الكسب ...... ولا تكلّفوا الصغير الكسب.

(موطأ مالك، 2 : 981، رقم: 1771)

''جو لونڈی کوئی ہنر نہ جانتی ہو اس کو کمائی پر مجبور مت کرو...... اور نہ ہی چھوٹے بچے کو کام پر مجبور کرو۔''

پس ضروری ہے کہ مزدور کو زیادہ کام کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ ایسا کرنا اس کے حقوق کی پامالی اور ظلم و استحصال کے مترادف ہو گا۔

جس طرح مزدور سے جبر و اِکراہ کے ساتھ کام لینے کی نفی کی گئی، اِسی طرح اضافی کام کے لئے اضافی اُجرت دینے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔ معاہدہ کرتے وقت کام کی خاص مقدار طے کی گئی تھی، اب اگر کسی وجہ سے کام بڑھ گیا ہے تو اُس کی اِضافی اُجرت ادا کرنا لازمی ہے۔ اسی طرح اسلامی لیبر پالیسی میں حقِ محنت ادا کرنے کے ساتھ ساتھ متعلقہ اضافی حقوق کی ادائیگی بھی لازمی قرار دی گئی مثلاً پنشن (Pension)، بڑھاپے میں دی جانے والی سہولتیں (Old Age Benefits)، وفات کے بعد متاثرہ خاندان کی مدد (After Death Benefits)، قرضِ حسنہ (Interst Free Loans)، ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد طبی سہولتیں (Medical Facilities) اور پنشن میں گاہے بگاہے اضافہ (Increase in Pension) قابلِ ذکر امور ہیں۔

عاملینِ پیدائش میں سرمایہ، ہنر اور محنت اہم حیثیت کے حامل ہیں۔ ان میں سرمایہ بہت اونچا اور مضبوط درجہ رکھتا ہے، ہنر کا درجہ بہت نیچے ہے مگر قدرے قابلِ قبول ہے جبکہ محنت کو محرومی اور ذلت گردانا جاتا ہے۔ دورِ جدید میں مکر وفریب کی چالوں سے محنت کو حد درجہ ذلیل (Degrade) کیا گیا ہے جبکہ یہ عدل و انصاف کے خلاف ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اربابِ اختیار، ماہرینِ معاشیات اور منصوبہ بندی کرنے والے مذکورہ بالا عوامل (سرمایہ، ہنر، محنت) میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ایسی کوشش ملک و ملت اور عوام الناس کی خوشحالی و ترقی کی ضامن ہو گی۔

قرآن مجید کی بے شمار آیات محنت کشوں کے اخلاقی و قانونی حقوق کی ادائیگی کی دعوت دیتی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ. (آل عمران، ۳: ۹۲)

''تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی تلقین و ترغیب دی گئی ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ پر

باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ. (البقرۃ، ۲: ۲۱۹)

’’اور آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کر دو)۔‘‘

ایسی بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مزدور تک اس کا حق پہنچایا جائے یعنی اس کی مزدوری کی بروقت ادائیگی اس کا استحقاق ہے۔ دینی تعلیمات کے تحت یہ حق ادا کرنا اخلاقی فرض ہے جو کہ ہر آجر پر عائد ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن و حدیث میں مزدور کے اخلاقی استحقاق کا کثرت کے ساتھ بیان موجود ہے۔

جہاں تک محنت کش کے قانونی استحقاق کا تعلق ہے اس کے لئے اسلام میں واضح قانون سازی کی گئی ہے، جس کی تفصیل وتشریح قرآن مجید اور احادیثِ نبوی ﷺ میں موجود ہے۔ مثلاً اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

وَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِo (الذاریات، ۵۱: ۱۹)

’’اور اُن کے اَموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر ہےo‘‘

یہ فرمانِ خداوندی واضح طور پر بیان کر رہے ہیں کہ مالدار کے مال میں مزدور کا حصہ ہوتا ہے، جو قانونی اِستحقاق کی غمازی کرتا ہے اور اُسے بجا لانا آجر پر قانونی فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا:

من أحیا أرضاً میتة فهي له. (ابو داؤد، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۳)

’’جس نے بنجر زمین آباد کی وہ اسی کے لیے ہے۔‘‘

اس طرح مزدور کے قانونی استحقاق کی واضح نشاندہی ہو جاتی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہر ہر مقام پر اسلامی تعلیمات کے تحت محنت کشوں کے اخلاقی اور قانونی حقوق کا خیال رکھا جائے جو حقیقت، عقل و دانش، انصاف اور صداقت پر مبنی ہیں۔ اس ضمن میں درج ذیل اقدامات مستحسن ہوں گے:

ا) رعایتی قیمتوں پر اشیائے خوردنی و دیگر ضروری اشیائے صَرف فراہم کرنے کے لئے خصوصی سٹورز کا قیام۔

ب) سستی رہائش کی فراہمی یا ادارے کی طرف سے مفت رہائش کی سہولت۔

ج) مزدور طبقہ کے معیارِ زندگی کو بہتر کرنے اور ان کی غربت کے خاتمہ (Elimination of Poverty) کے لئے غور وفکر اور عملی اقدامات کرنا۔

د) ورکرز سیکورٹی منسٹری (وزارت برائے تحفظِ مزدوراں، Labour Security Ministry) کا قیام۔

ر) مزدورں کے بچوں کی تعلیم کا انتظام و انصرام۔

س) صحت کے مراکز، ہسپتال اور ان میں ادویات کی فراہمی۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ”اِقتصادیاتِ اسلام“)

59- چائلڈ لیبر

بچے کسی بھی قوم کے مستقبل کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ اُن کی اچھی تعلیم و تربیت اچھے مستقبل کی ضمانت ہوتی ہے۔ پاکستان میں صورتحال یہ ہے کہ اکثر غریب خاندانوں کے بچے، خاص طور پر گاؤں دیہات میں، سکول نہیں بھیجے جاتے اور کسی چھوٹے موٹے کام پر لگا دیئے جاتے ہیں تاکہ اُن کی تنخواہ یا دیہاڑی سے گھر کے خرچ میں مدد مل سکے۔ اس سے وقتی طور پر تو کچھ فائدہ پہنچا سکتا ہے لیکن مستقبل میں اس کے منفی نتائج سامنے آتے ہیں۔

تعلیم و تربیت کا فقدان بچوں میں اِحساسِ کمتری پیدا کرتا ہے۔ بہتر ماحول، معاشرہ میں باعزت مقام اور محبت نہ ملنے کی وجہ سے اُن میں بے شمار معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ سگریٹ نوشی، بدکلامی، خودغرضی، پیسے کی ہوس، غم وغصہ کے جذبات اور بڑے ہوکر سرمایہ داروں سے مخالفت، دُشمنی اور بدلہ لینے کی خواہشات اُن کے کردار کو تباہ کر دیتی ہیں۔ یہ تمام برائیاں اکثر اُن سے بچپن میں مزدوری کرانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا بچوں سے محنت و مزدوری کروانے کو ممنوع قرار دینا اور اُن کی تعلیم و تربیت پر توجہ دینا قوم و ملت کے لئے ضروری ہے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ”اِقتصادیاتِ اسلام“)

www.MinhajBooks.com
www.facebook.com/MinhajulQuran

آخذ و مراجع

-1	الاحکام	ابن حزم، علی بن احمد بن سعید اندلسی
-2	تاریخ دمشق الکبیر	ابو قاسم علی ابن عساکرؒ
-3	تہذیب التہذیب	ابن حجر عسقلانیؒ
-4	التفسیر الکبیر	محمد بن عمر بن حسن رازیؒ
-5	جامع ترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ
-6	الجامع لاحکام القرآن	ابوعبد اللہ محمد بن احمد قرطبیؒ
-7	زاد المعاد	محمد ابی بکر ابن قیمؒ
-8	سنن نسائی	احمد بن شعیب نسائیؒ
-9	سنن ابوداؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانیؒ
-10	سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینیؒ
-11	السنن الکبریٰ	ابوبکر احمد بن حسین بیہقیؒ
-12	شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بیہقیؒ
-13	صحیح ابن حبان	ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبانؒ
-14	صحیح بخاری	ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ
-15	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج قشیریؒ
-16	فتح الباری	ابن حجر عسقلانیؒ
-17	کنز العمال	حسام الدین علاء الدین علی متقی ہندیؒ
-18	مسند احمد بن حنبل	ابوعبداللہ احمد بن حنبلؒ
-19	مسند بزار	ابوبکر احمد بزار بن عمرو بن عبد الخالق بصریؒ
-20	المستدرک علی الصحیحین	ابوعبداللہ محمد حاکم بن عبداللہؒ

21- المصنف — عبدالرزاق ابو بکر بن ہمام بن نافع صنعانیؒ
22- المعجم الکبیر — سلیمان بن احمد طبرانیؒ
23- المعجم الاوسط — سلیمان بن احمد طبرانیؒ
24- المفردات — ابو قاسم حسین بن محمد راغب اصفہانیؒ

تصانیف شیخ الاسلام

عرفان القرآن — المنہاج السوی — تعلیماتِ اسلام

روزہ اور اِعتکاف — اِسلام اور جدید سائنس — اِقتصادیاتِ اسلام

اِسلامی نظامِ معیشت کے بنیادی اُصول

خطاباتِ شیخ الاسلام (سی ڈی نمبرز)

220	393	540	624	805
843	894	1001	1002	1045
1065				